دِلاوَر

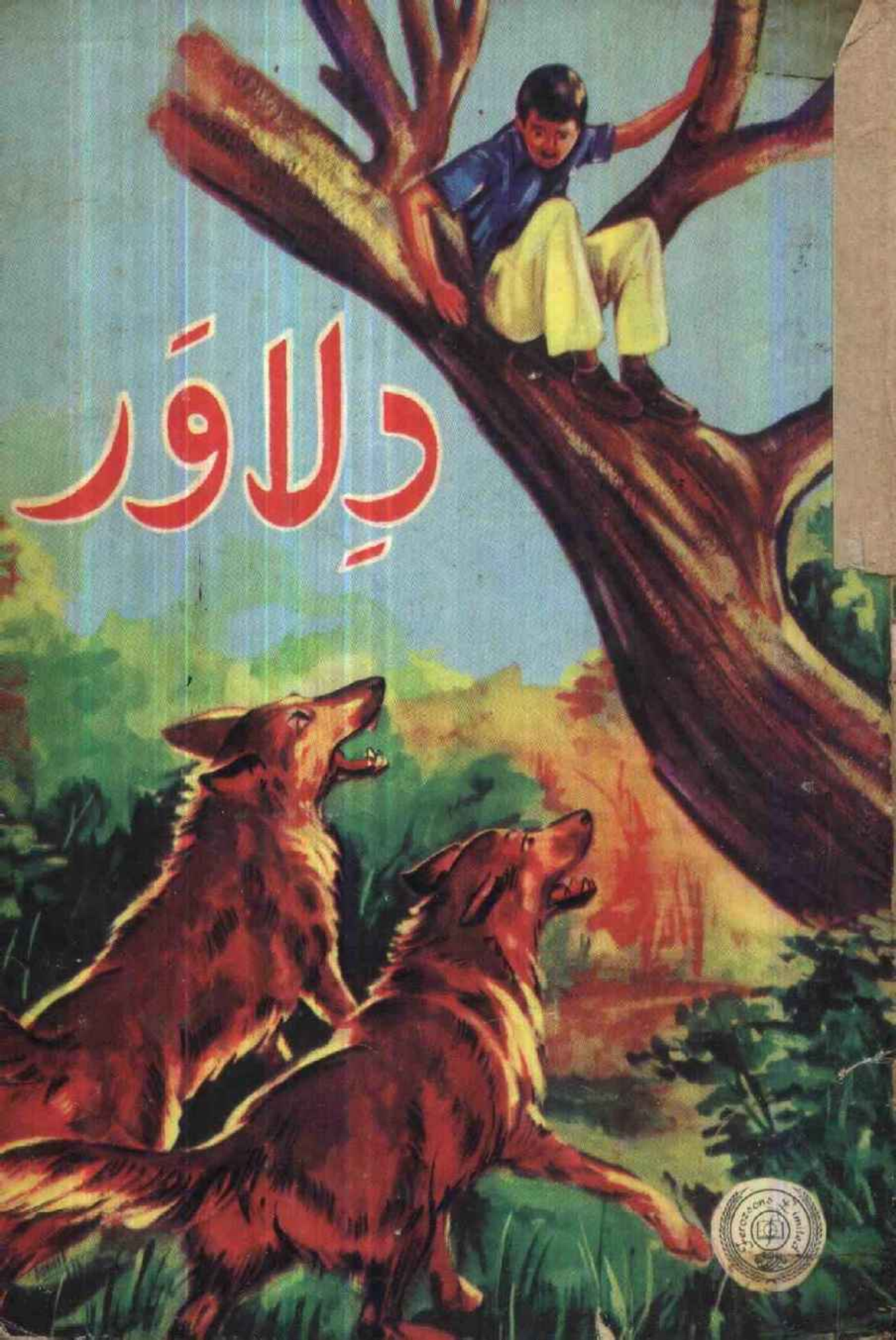

Moinuddin Javed

دِلاوَر

بچّوں کے لیے ناول

ریاض احمد

فیروز سنز لمیٹڈ

لاہور ۔ راولپنڈی ۔ منگلا ۔ پشاور ۔ حیدرآباد ۔ کراچی

پہلی بار ——— 1969
تعداد ——— 2000
قیمت ——— 2.00

مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور • باہتمام عبدالحمید خاں پرنٹر پبلشر

پھُول، تتلیاں، تصویریں

"یہ بات میرے سان گمان میں بھی نہ تھی کہ یہ کراچی جانے سے اِنکار کر دے گا" دلاور کے والِد نے اپنی بیوی سے کہا "تمھاری بہن کی دیکھ بھال کے لیے ہمارا کراچی جانا بہت ضروری ہے۔ لیکن اسے ....."

"اسے یہیں چھوڑ جاتے ہیں جی" دلاور کی امّی نے نرمی سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اسے اس کی تائی کے پاس چھوڑ جاتے ہیں۔ ہمارے آنے تک یہ ان کے پاس رہے گا۔ لیکن برخوردار، اُن کو ستانا مت۔ اگر تم نے اُنھیں ناراض کیا تو میں تمھاری پٹائی کروں گا۔ اوّل تو وُہ خُود ہی تمھیں ٹھیک کر لیں گی" دلاور کے والِد

نے کہا۔

"واہ جی وا ۔ بھابی مریم تو اِتنی محبّت کرنے والی ہیں ۔ وُہ تو اُسے مجُھ سے بھی زیادہ چاہتی ہیں ۔ اللہ نے اُنھیں اولاد نہیں دی تو کیا ہُوا ، ماں کا دِل تو دیا ہے ۔ کاش بھائی جان اِتنی جلدی اللہ کو پیارے نہ ہو جاتے ـــــ بے چاری ان کی وفات کے بعد اکیلی رہ گئی ہیں" امّی نے کہا ۔

"تم ہر وقت اُسے شہ نہ دیا کرو ۔ اِس طرح یہ بگڑ جائے گا" دِلاور کے والد نے کہا۔

"نہیں جی ، ہمارا بیٹا کوئی ایسا ویسا ہے ۔ اِنشاء اللہ یہ اپنی تائی کو خُوش رکھے گا اور اُنھیں شکایت کا کوئی موقع نہ دے گا ۔ شرط لگا لیں ۔ ہمارے واپس آنے پر وُہ اس کی تعریف ہی کریں گی" امّی نے کہا ۔

"ابّا جان ، میں اِتنے دِنوں بعد سکول سے گھر آیا ہُوں ۔ کچھ دِن یہیں رہنا چاہتا ہُوں گاؤں کے میلے میں بھی چند روز رہ گئے ہیں ۔ میں میلا چھوڑ کر نہیں جا سکتا ۔ کراچی

تو میں پہلے بھی کئی بار جا چُکا ہُوں ۔ ابھی مجھے اپنے دوستوں سے مِلنا ہے اور سکول کا کام تو اس دفعہ اِتنا مِلا ہے کہ بس کچھ نہ پُوچھیے ۔ دِن رات لگا رہوں تو بھی مُشکل سے ختم ہو گا" دِلاور بولا ۔

دِلاور کے ماں باپ عزّت پُور میں رہتے تھے ۔ یہ ایک بہت بڑا قصبہ تھا ۔ جو ایک مشہُور شہر سے ساٹھ میل کے فاصلے پر آباد تھا ۔

دِلاور کے والد نے دِلاور کو شہر کے ایک بورڈنگ سکول میں داخل کروا دیا تھا تا کہ وُہ اَن پڑھ لڑکوں کی صُحبت سے بچا رہے اور شہری زندگی کے آداب سیکھ جائے ۔ دلاور اپنے والدین کا اکلوتا لڑکا تھا ۔ اِس لیے اُن کی خواہش یہ تھی کہ اُسے اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دلائیں ۔

دِلاور صرف چھُٹّیوں کے دوران میں گھر آیا کرتا تھا ۔ اِس دفعہ وُہ گھر آیا تو اُس کے

خالو کا کراچی سے خط آ گیا کہ دلاور کی خالہ سخت بیمار ہیں اور اُنھیں ہسپتال میں داخل کروا دیا گیا ہے لہٰذا آپ لوگ فوراً کراچی پہنچیں ۔ دلاور کے ابّا اسے بھی ساتھ لے جانا چاہتے تھے لیکن دلاور نے میلا دیکھنے ، اپنے دوستوں سے ملنے اور سکول کا کام کرنے کا بہانہ بنا دیا ۔ حالاں کہ اس کے عزّت پور چھوڑ کر نہ جانے کی وجہ یہ تھی کہ یہاں سے دو میل کے فاصلے پر ایک بوڑھی خاتون جن کا نام بیگم عُمران تھا رہتی تھیں ۔ ان کی حویلی بُہت بڑی تھی اور اُس حویلی کے چاروں طرف اُن کی زمینیں میلوں تک پھیلی ہوئی تھیں ۔ ان زمینوں میں کہیں جنگل تھا تو کہیں جھیل — کہیں فارم تھے تو کہیں جانوروں کے رہنے کے لیے بڑے بڑے مویشی خانے ۔ باغات بھی کثرت سے تھے ۔ لوگ ان کے علاقے کو "جاگیر" کہتے تھے ۔ بیگم عمران نے اپنی جاگیر میں ایک کوٹھڑی ، جو ایک چار دیواری والے باغ کے اندر تھی ، دلاور کو دے رکھی تھی ۔

وُہ اکیلی تھیں اور اپنے مُلازموں کے ساتھ زندگی کے باقی دِن آرام سے گُزار رہی تھیں ۔ اس عُمر اور ایسے حالات میں اکثر عورتیں چڑچڑی اور بدمزاج ہو جاتی ہیں لیکن بیگم عمران بہت مہربان اور نیک دِل خاتون تھیں اور بچّوں سے تو اُن کو خاص طور پر محبت تھی ۔ دلاور جب بھی چھُٹّیوں میں گھر آتا اُن سے ملنے کے لیے ضُرور جاتا ۔ بیگم صاحبہ نے باغ اور کوٹھڑی کی چابیاں دِلاور کو دے رکھّی تھیں ۔

بیگم عمران دِلاور کی مالی اِمداد بھی کرتی رہتی تھیں تا کہ وُہ سائنسی تجربات کے لیے سامان خرید سکے ۔ دِلاور کے تمام سائنسی آلات اور محلول ، قِسم قِسم کے پھُول ، رنگا رنگ تتلیاں ڈرائنگ کی کاپیاں ، رنگ ، رنگین پینسلیں ، دُنیا کے بے شُمار مُلکوں کے ٹکٹ ، پرندوں کے بیسیوں ننھّے مُنّے انڈے اِسی کوٹھڑی میں رکھے تھے ۔ اپنا یہ خزانہ اُس نے بڑی محنت سے جمع کیا تھا اور اُسے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتا تھا ۔

پچھلی چھٹیوں کے بعد جب وُہ بورڈنگ سکول واپس آیا تو اُسے گھر سے آئے ہُوئے ایک خط سے پتا چلا کہ بیگم عمران وفات پا گئی ہیں۔ اس خبر نے اس کے دِل پر بُرا اثر کیا تھا اور وہ کئی دِن تک اُداس رہا تھا۔ بار بار بیگم عمران کا شفیق چہرہ اس کے سامنے آ جاتا۔

کچھ عرصے بعد والد کے ایک اور خط سے دلاور کو پتا چلا کہ بیگم عمران کی جاگیر فروخت کر دی جائے گی۔ اس کے والد نے یہ بھی لکھا تھا کہ اتنی بڑی جاگیر کا ایک ہی گاہک ملنا دشوار ہے اِس لیے بیگم عمران کے عزیز اس کو چھوٹے چھوٹے حصّوں میں تقسیم کر کے فروخت کریں گے۔ اِس کے علاوہ اُنھوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ وُہ چار دیواری والا باغ خریدنا چاہتے ہیں۔

اِس اِطّلاع سے دلاور کو کچھ تسکین ہُوئی تھی کم از کم اس طرح اس کا سامان تو محفُوظ رہے گا۔ لیکن قدرت کو یہ منظُور نہ تھا۔

چند دِن بعد اُسے خبر ملی کہ ایک مال دار آدمی نے ساری جاگیر کا سودا کر لیا ہے اور اُس نے جاگیر پر قبضہ بھی کر لیا ہے۔ اس کا نام محمّد خان ہے۔

یہ خبر دلاور کے لیے اپنے اِتنے قیمتی سامان سے محرُوم ہو جانے کا اِعلان تھی — اور دلاور اسی زمانے سے اپنا سامان واپس لینے کا منصُوبہ بنا رہا تھا۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ وُہ اپنا سامان ہر قیمت پر واپس لا کر رہے گا۔

اب دلاور واپس گھر آ چُکا تھا۔ اُس کا سامان بیگم عمران کے باغ میں پڑا ہُوا تھا۔ وُہ اپنے سامان کو چھوڑ کر کراچی کیسے جا سکتا تھا۔ یہ اصل وجہ تھی اس کے اپنے ماں باپ کے ساتھ نہ جانے کی۔

دلاور اپنے ماں باپ کو الوداع کہنے کے لیے سٹیشن تک اُن کے ساتھ گیا۔ جب وہ اسے خُوب نصیحتیں کر چُکے اور گاڑی چل دی

تو وُہ دیر تک ہاتھ ہلاتا رہا ۔ گاڑی نظروں سے اوجھل ہو گئی تو وُہ سٹیشن سے باہر آ گیا ۔

اب اُس نے فیصلہ کیا کہ وُہ سب سے پہلے بیگم عمران کی جائیداد کے نئے مالک سے مِل کر اُسے ساری بات بتائے گا اور اس سے اپنا سامان نکالنے کی اجازت مانگے گا ۔ اُسے یقین تھا کہ نیا جاگیردار اس کے سامان نکالنے پر کوئی اعتراض نہیں کرے گا ۔

جب وُہ جاگیر کی طرف چلا تو اس نے دیکھا کہ نئے مالک نے اپنے علاقے کے گرد کانٹوں والے تار کی دس فٹ اُونچی باڑ لگوا دی ہے اور اُن تمام راستوں کو بند کر دیا ہے جو اُس کے علاقے میں سے ہو کر گزرتے تھے اور جن پر سے گزرنے کی بیگم عمران نے لوگوں کو اجازت دے رکھی تھی تاکہ اُنھیں لمبا چکّر نہ کاٹنا پڑے ۔

دِلاور نے ایک جگہ یہ نوٹس بھی لکھا دیکھا ۔

باڑ کے قریب مت آؤ

خطرہ

خونخوار کُتّے

دِلاور نے یُوں محسُوس کیا جیسے وُہ قیدیوں کے کسی کیمپ کے قریب سے گزر رہا ہے ۔ اسے زیادہ حیرانی اس پر ہُوئی کہ اندر جانے کا کوئی راستہ نہیں رکھا گیا تھا ۔ ہر طرف ایسی ویرانی چھائی ہُوئی تھی جیسے وہاں کوئی اِنسان موجود ہی نہ ہو ۔ گھاس تو عرصے سے نہیں کاٹی گئی تھی ۔ اور وُہ علاقہ جو بیگم عمران کے زمانے میں اِتنا خوبصُورت اور سرسبز تھا اب ویرانہ بنتا جا رہا تھا ۔ دِلاور نے سوچا نیا جاگیردار مُحمّد خان کوئی پاگل ہے جو کسی بُہت بڑے پاگل خانے میں تنہا رہنا چاہتا ہے ۔ وہ تاروں کی باڑ کے ساتھ ساتھ یہی سوچتا ہُوا جا رہا تھا کہ اُس نے پرلی طرف کسی چیز کو ہلتے ہُوئے دیکھا — جب اُس نے غور کیا تو پتا چلا کہ وُہ ایک چھوٹی سی لڑکی ہے ۔ اس کا چہرہ دُوسری طرف تھا اِس لیے دِلاور یہ نہ دیکھ سکا کہ وہ کیا کر رہی

ہے لیکن اس کی حرکتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ چلّا رہی ہے۔

دِلاور نے اُسے زور سے پُکارا۔ آواز سُن کر لڑکی دِلاور کی طرف مُڑی اور پھر باڑ کے پاس آ گئی۔ وہ سسکیاں لے رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بلّی کی آنکھوں کی طرح گہری سبز تھیں۔ وہ دلاور کو بڑی اچھّی لگی۔

"کیوں رو رہی ہو؟" دلاور نے پُوچھا۔

لڑکی نے اپنے دونوں ہاتھ اُوپر اُٹھا دیے۔ اس نے ہاتھوں میں کُتّے کا مرا ہُوا پلّا پکڑا ہُوا تھا۔

"اوہو..... ہو..... ہو....." دلاور نے افسوس ظاہر کیا۔

لڑکی نے نفرت سے باڑ پر تھُوکا اور تیزی سے مُڑ کر بھاگ نِکلی۔ اُس کا خیال تھا کہ اس کے پلّے کو دِلاور نے مارا ہے۔ دِلاور اُس کے دِل کی بات سمجھ گیا۔ اُس نے زور سے کہا۔" تمھارے پلّے کو میں نے نہیں مارا۔"

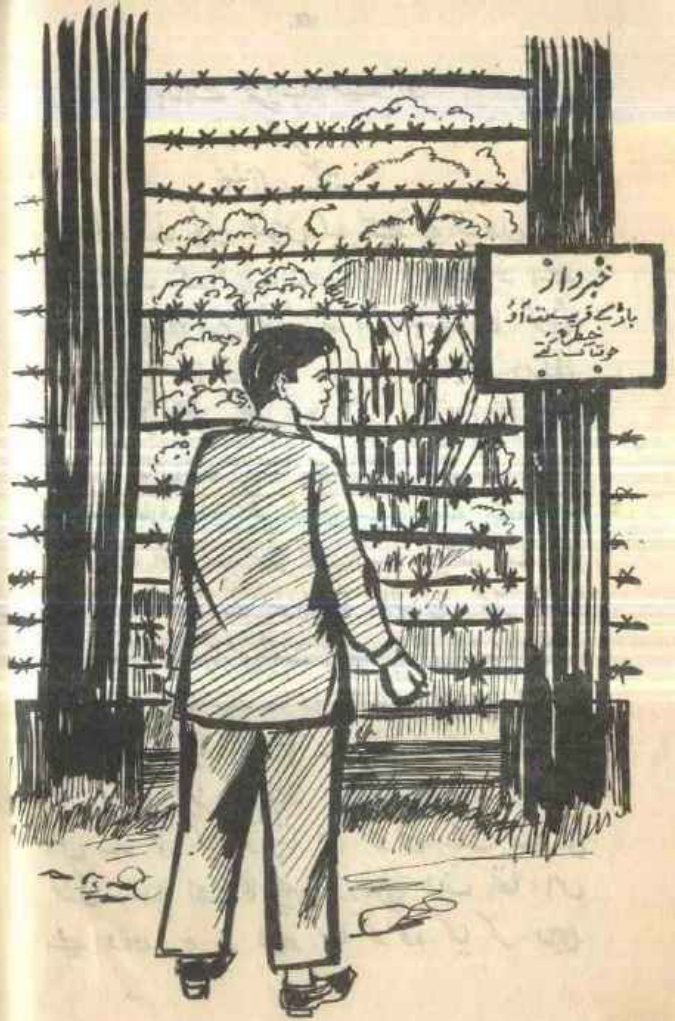

لڑکی رُکی ، دِلاور کی طرف مُڑی ، تھوڑی دیر اُسے دیکھتی رہی ، پھر بھاگ نکلی - اُسے دلاور کی بات کا یقین نہیں آیا تھا -

مُلاقات

دلاور تار کی باڑ کے ساتھ ساتھ چلتا گیا - کچھ دُور جا کر اُسے ایک اور نوٹس نظر آیا - جو پہلے سے مُختلف تھا :

یہ راستہ
عام لوگوں کے لیے نہیں ہے

اس نوٹس میں کُتّوں کا کوئی ذکر نہیں تھا لیکن اتنے میں ایک کُتّا دوڑتا ہُوا آیا اور اس نے دلاور کے سامنے آ کر بھونکنا شروع کر دیا - اِس کے پیچھے ایک کُتیا بھی تھی جو کُتّے سے بھی زیادہ زور زور سے بھونک رہی تھی - کُتّوں اور دِلاور کے درمیان دس فُٹ اونچی باڑ تھی لیکن اس کے باوجُود دلاور ڈر کر پیچھے ہٹ گیا - کُتّے اتنے پلے ہُوئے اور طاقت ور

تھے کہ اگر وُہ چاہتے تو باڑ کو بھی پھلانگ سکتے تھے۔

دِلاور نے دُور حویلی کی طرف دیکھا کہ شاید کُتّوں کی آواز سُن کر کوئی باہر نِکل آئے۔ اُسے دو آدمی حویلی کی ڈیوڑھی میں کھڑے نظر آئے جو دلاور اور کُتّوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان میں سے ایک کے بال کالے گھنگھریالے تھے اور بالکُل مصنُوعی لگتے تھے۔ اس کے ہاتھ میں چابک تھا۔ دُوسرے نے کالا سُوٹ پہن رکھا تھا اور وُہ کافی لمبا تڑنگا تھا۔ اس کا سر چھوٹا تھا لیکن اس پر کالے بالوں کا چھجّا سا بنا ہُوا تھا۔

دلاور نے باڑ کے قریب جا کر گلا پھاڑ کر کہا "میں مُحمّد خان صاحب سے ملنے آیا ہُوں"۔

دونوں آدمی بُت کی طرح چُپ چاپ کھڑے رہے۔ یُوں لگتا تھا جیسے گونگے اور بہرے ہیں اتنے میں لڑکی حویلی کے اندر سے نِکلی اور دونوں آدمیوں کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ وُہ اب رونے کے بجائے کیلا کھا رہی تھی۔

دِلاور پھر چیخا "یہ عام راستہ ہے۔ آپ کو اُسے بند کرنے کا کوئی حق نہیں"۔

اچانک سُرخ بالوں والی ایک کُبڑی بڑھیا حویلی میں سے نِکلی۔ اُس نے مردانہ قمیص پہن رکھی تھی اور لاچا باندھا ہُوا تھا۔ وُہ لڑکی کا بازُو پکڑ کر اسے اس طرح کھینچ کر اندر لے گئی جیسے وہ بے جان گڑیا ہو۔ لڑکی نے کیلے کا چھلکا کبڑی بڑھیا کے مُنہ پر دے مارا اور پھر وُہ دونوں غائب ہو گئیں۔

دلاور اس سارے منظر کو یُوں دیکھتا رہا جیسے کوئی فِلم دیکھ رہا ہو۔ اس نے پھر ایک نعرہ لگایا۔ "مجھے مُحمّد خان سے ایک ضروری کام ہے"۔ لیکن کُتّوں کے شور میں اُس کی آواز دب کر رہ گئی۔ اس کا جی چاہا کہ کُتّوں کو پتھر مار مار کر لہُولہان کر دے۔ لیکن درمیان میں باڑ تھی۔ اس نے غُصّے میں آ کر پاس ہی پڑا ہُوا ایک پُرانا بُوٹ اُٹھایا اور تاروں کے اُوپر سے پرلی طرف اُچھال دیا۔ کُتّے بھاگ گئے۔

دلاور تنگ آ کر گھر کی طرف چل دیا۔ وُہ وقت پر گھر نہیں پہنچ سکا تھا۔ پھر بھی تائی مریم ناراض نہیں تھیں۔ ہاں اُنھوں نے یہ ضرور پُوچھا کہ وُہ اِتنی دیر کہاں رہا تھا۔ اس نے ان کو سارا واقعہ سُنایا لیکن وُہ اس واقعے میں بالکل دِلچسپی نہیں لے رہی تھیں۔ ان کے لیے یہ ایسا ہی تھا جیسے کوئی ان کو بتاتا کہ چین یا جاپان میں زلزلہ آ گیا ہے۔

"تائی جی ان کو یہ تار اُتارنے پڑیں گے۔" دلاور نے کہا۔

"لیکن اُنھوں نے یہ تار لگائے ہی کیوں ہیں؟" وُہ بولیں۔

"یہ تو وہی جانیں لیکن قصبے کے لوگوں کو ان تاروں کی وجہ سے بُہت تکلیف ہو گی۔ اگر کسی کو ڈاکٹر کو بُلانے کی ضرورت پڑ جائے تو اُسے بُہت لمبا چکّر کاٹنا پڑے گا۔ اِتنی دیر میں تو مریض کی جان پر بن جائے گی۔" دلاور نے کہا۔

"مُحمّد خان کو یہاں کے لوگوں کی کیا پروا۔

یہ تو کہیں باہر سے آیا ہے۔ یہ اِس علاقے کا رہنے والا نہیں ہے۔" تائی مریم نے بتایا۔

جب دِلاور کھانا کھا چُکا تو تائی برتن اُٹھا کر باورچی خانے میں لے گئیں۔

دلاور کو چین نہیں آ رہا تھا۔ وُہ طرح طرح کے منصُوبے بنا رہا تھا لیکن کوئی بات بن نہیں رہی تھی۔ کافی دیر بعد اُسے ایک بات سُوجھی۔ کیوں نہ وُہ شمسُ الدّین ڈاکیے کے ساتھ مُحمّد خان سے مِلنے جائے۔ شمس اُسے ڈاک دینے کے لیے اندر تو جاتا ہی ہو گا۔ ہو سکتا ہے وُہ اِس سے بات چیت بھی کرتا ہو۔ ابھی اُس نے یہ بات سوچی ہی تھی کہ شمس ڈاکیا ایک خط دینے کے لیے آ گیا۔ یہ خط دلاور کے کسی دوست نے بھیجا تھا۔

"بڑے میاں، میں مُحمّد خان سے مِلنے کے لیے تمھارے ساتھ جانا چاہتا ہُوں۔" میں اکیلا گیا تھا لیکن وُہ مِلے ہی نہیں ——— تار پھلانگ کر اندر گیا تو کُتّوں کا خطرہ ہے۔ میں تو یہ سب کُچھ دیکھ کر حیران رہ گیا ہُوں۔"

دِلاور نے ڈاکیے سے کہا ۔

"تُم نے ابھی دیکھا ہی کیا ہے ۔ جو میں دیکھ چُکا ہُوں اگر تم دیکھو تو یقین ہی نہ آئے" شمس نے جواب دیا ۔

"کیا اُس کے نام کافی خط آتے رہتے ہیں؟" دِلاور نے پُوچھا ۔

"روز ایک خط تو ضرُور آتا ہے ۔ آج بھی آیا ہے ۔" شمس نے کہا ۔

پھر وُہ دونوں محمّد خان کا خط پہنچانے کے لیے چل دیے ۔ دلاور نے راستے میں صُبح کا واقعہ حرف بحرف شمس کو سُنا دیا ۔

دلاور دِل میں بُہت خُوش تھا کہ اب وُہ محمّد خان کے باغ سے اپنا سامان نِکال لائے گا ۔ اُس نے یہ بھی سوچا کہ وُہ محمّد خان سے تار لگانے کی وجہ بھی پُوچھے گا اور کہے گا کہ وُہ یہ تار اُتار دے تا کہ لوگوں کی پریشانی دُور ہو ۔

جب شمس اور دِلاور جاگیر کے قریب پہنچے تو اُنھوں نے وہاں ایک تازہ نوٹس دیکھا ۔

لِکھا تھا :

اندر آنے کی اِجازت نہیں

حویلی کی ڈیوڑھی کے سامنے اندر جانے والا دروازہ کھلا ہُوا تھا لیکن وہاں کوئی بھی نہ تھا ۔ اِتنے میں ایک کُتّے نے پیچھے سے آ کر دلاور پر زور سے چھلانگ لگائی اور اپنے ہی زور میں آگے جا گِرا ۔ شمس نے جھٹ پٹ اینٹ اُٹھا کر کُتّے کے ماری اور کُتّا چیختا ہُوا بھاگ کھڑا ہُوا ۔

اس پر بھی حویلی میں سے کوئی شخص نہ نِکلا ڈاکیے کو محمّد خان نے حُکم دے رکھا تھا کہ وُہ باہر ہی سے آواز دے دیا کرے — اندر آنے کی کوشش نہ کرے ۔

وہ دونوں حیران پریشان اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے کہ حویلی میں سے ایک لمبا تڑنگا آدمی نکلا ۔ اِس کا رنگ تو کالا نہیں تھا لیکن ناک نقشہ افریقہ کے حبشیوں کا سا تھا ۔ چپٹی ناک موٹے ہونٹ ، کالے گھنگھریالے بال ۔ ڈاڑھی بھی تھی ۔ جس کا رنگ ادرک سے مِلتا جُلتا

تھا۔ بازوؤں پر کالے بالوں کے گچھے تھے۔ اُس نے شمس کی طرف دیکھ کر غصّے سے کہا "کیا چاہتے ہو؟"

اُس کی آواز ایسی تھی جیسے کسی درندے کی غُراہٹ۔ شمس نے تھیلے میں سے خط نکال کر اس طرح ڈرتے ڈرتے اس کی طرف بڑھایا، جیسے کسی شیر کے پنجرے میں ہاتھ ڈال رہا ہو۔

"نکل جاؤ" وُہ آدمی چیخا۔ "اگر تم پھر کبھی اِدھر آئے تو میں تمھاری گردن مروڑ دُوں گا۔" اُس نے یہ کہہ کر ہاتھوں کو اِس طرح حرکت دی جیسے سچ مُچ کسی کی گردن مروڑ رہا ہو۔

تھوڑی دیر وُہ دونوں چُپ چاپ کھڑے رہے۔ جب وُہ آدمی حویلی کے اندر چلا گیا تو اُنھیں ہوش آیا اور وُہ واپس جانے کے لیے مُڑے۔ تھوڑی دُور جا کر ڈاکیے کا ڈر کم ہُوا اور وُہ خِفّت مٹانے کے لیے اکڑ اکڑ کر چلنے لگا۔ وُہ دلاور کے سامنے اپنے آپ کو بہادر ثابت کرنا چاہتا تھا حالاں کہ اس کا دِل محمّد خان کے خوف سے اب تک دھڑک رہا تھا۔

دِلاور کا خُون غُصّے سے کھول رہا تھا۔ اس کا بس چلتا تو وُہ محمّد خان کو اس بدتمیزی کا مزہ چکھا دیتا۔ "دولت نے اس آدمی کا دماغ خراب کر دیا ہے۔ مجھے تو یہ بالکل وحشی جانور معلوم ہوتا ہے۔" اُس نے اپنے آپ سے کہا۔

اِتنے میں اُنھیں وُہی کُتّا اپنی طرف آتا ہُوا دکھائی دیا جس نے دِلاور پر چھلانگ لگائی تھی۔ اُنھوں نے جھٹ اِینٹیں اُٹھا لیں اور جب کُتّا قریب آیا تو ایک ساتھ اُس کے سر پہ دے ماریں۔ کُتّا مارے درد کے بلبلا اُٹھا اور پاگلوں کی طرح اُچھلنے لگا۔

دِلاور اور شمس نے دوڑ لگا دی اور اُس وقت تک دوڑتے رہے جب تک وُہ محمّد خان کی جاگیر کی حد سے باہر نہ آ گئے۔ اِس دوران میں اُنھوں نے نہ کوئی بات کی نہ پیچھے مُڑ کر دیکھا۔ دوڑ دوڑ کر ان کی سانس پھُول گئی تھی اور پاؤں دُکھنے لگے تھے۔ جب ان کے حواس ٹھکانے ہُوئے تو اُنھوں نے ایک

دُوسرے کی طرف دیکھا ۔ دونوں کی آنکھوں میں شرمندگی تھی ۔ وُہ ایک ساتھ بولے "یہ ہم نے اچّھا نہیں کیا ۔"

"محمّد خان پولیس میں رپٹ نہ درج کرا دے" دلاور نے کہا ۔

شمس نے کہا "اگر ہم اسے نہ مارتے تو وُہ ہم کو مار دیتا ۔"

"اب کیا کریں ؟" دلاور نے پُوچھا ۔

"تُم کسی سے اِس واقعے کا ذکر نہ کرنا" یہ کہہ کر شمس چلا گیا اور دلاور سوچنے لگا کہ محمّد خان لوگوں سے اِتنا دُور کیوں رہنا چاہتا ہے اس میں ضرور کوئی راز ہے اور میں اس راز کا پتا چلا کر رہُوں گا ۔

دُوسرے دِن دلاور بازار سے مٹھائی خریدنے گیا تو اُس نے اس لڑکی کو ایک دُکان پر دیکھا ۔ وہ اُسی کُبڑی عورت کے ساتھ کھڑی تھی اور بڑے صبر سے اس کو چیزیں خریدتے دیکھ رہی تھی ۔ پھر وُہ عورت کو وہیں چھوڑ کر ایک

سٹیشنری کی دُکان کے اندر چلی گئی ۔ دلاور اس کے پیچھے جا کر کھڑا ہو گیا ۔ لڑکی نے ایک ڈرائنگ کی کاپی اُٹھا لی اور دُوسرے ہاتھ میں اس کلر بکس کو پکڑ کر کھڑی ہو گئی جو کاؤنٹر پر پڑا تھا ۔ پھر اس نے کاپی واپس رکھ دی لیکن کلر بکس ہاتھ میں پکڑے کھڑی رہی ۔

"السلامُ علیکم" دلاور نے لڑکی سے کہا ۔

وُہ گھبرا کر پیچھے مُڑی ، جیسے کسی نے اس کو چوری کرتے ہُوئے پکڑ لیا ہو ۔

"مٹھائی کھاؤ گی ؟" دلاور نے اس کو مٹھائی کا لفافہ دکھا کر پُوچھا ۔

"میرے پاس برفی کی ایک ڈلی ہے" لڑکی نے بے دلی سے کہا اور لفافے کی طرف للچائی ہُوئی نظروں سے دیکھنے لگی ۔

دلاور نے لفافہ اس کو پکڑا دیا اور وُہ لفافہ کھول کر مٹھائی کھانے لگی ۔

"تمھارا کیا نام ہے ؟ میرا نام رُوبی ہے ۔" لڑکی نے مٹھائی کھاتے ہُوئے پُوچھا ۔

"میرا نام دلاور ہے" دلاور نے بتایا ۔

وُہ دِلاور سے کافی چھوٹی تھی لیکن ذرا بھی شرما نہیں رہی تھی۔ وُہ دلاور کو سر سے پاؤں تک دیکھ رہی تھی۔

"تم تصویریں بنا لیتی ہو؟" دلاور نے اُسے باتوں میں لگایا۔

"میرا جی چاہتا ہے تصویریں بناؤں لیکن میرے پاس نہ کاغذ ہے نہ رنگین پنسلیں۔" لڑکی نے جواب دیا۔

"یہ تو بڑی بُری بات ہے۔" دِلاور نے کہا۔

"تمھارے پاس پیسے ہیں؟" رُوبی بولی۔

"تھوڑے سے ہیں۔" دِلاور نے جواب دیا۔

"مجھے تصویریں بنانے کا سامان خرید دو۔" رُوبی نے کہا۔

"میرے پاس گھر پر کافی سامان پڑا ہے۔ میں تمھیں وُہ دے سکتا ہُوں۔ لیکن وُہ سامان میں تم کو پہنچاؤں گا کیسے؟ تمھاری حویلی کے گرد باڑ لگی ہُوئی ہے اور خوفناک کُتّے ہر طرف گھُومتے رہتے ہیں۔" دِلاور نے بات بڑھائی۔

"جھُوٹے۔ کنجُوس۔" رُوبی لڑنے کے انداز میں

بولی۔

"اور تم کیا ہو؟" دِلاور نے کہا۔ وُہ یہ بھُول گئے تھے کہ اس وقت وُہ دونوں کہاں کھڑے ہیں۔ دُکان دار، جو دُوسرے گاہکوں کو چیزیں دے رہا تھا، اُنھیں لڑتا ہُوا دیکھ کر فوراً ان کی طرف آیا اور بولا:

"لڑنا ہے تو باہر جا کر لڑو۔ یہ دُکان ہے۔"

وُہ دونوں چُپ چاپ باہر نکل آئے۔

باہر آ کر رُوبی نے کہا۔ "تم مجھے سچ مچ وُہ چیزیں دے دو گے؟"

"ہاں۔ میں کل تمھیں وُہ چیزیں لا دُوں گا۔ لیکن تم مجھے کہاں ملو گی؟" دِلاور نے پُوچھا۔

"صُبح سات بجے تک سب سوئے ہُوئے ہوتے ہیں۔ تم حویلی کے سامنے آ جانا۔ میں وہیں ہُوں گی۔" رُوبی نے کہا۔ "لیکن قسم کھاؤ کہ تم چیزیں لے کر آؤ گے۔"

"اگر میں باڑ کے اندر آ سکُوں تو ایک کوٹھڑی میں میری بڑی اچھّی اچھّی چیزیں پڑی ہُوئی ہیں....." لڑکی نے اُس کی بات کاٹ دی اور

کہا ۔" کیسی چیزیں ؟"

" پنسلیں ، رنگ ، کاغذ ..... اِسی لیے تو میں وہاں گیا تھا ۔ وُہ میری چیزیں ہیں ۔ جب بیگم عمران فوت ہُوئیں تو میں یہاں نہیں تھا ، ورنہ اُسی وقت نکال لیتا ۔" دِلاور نے کہا ۔

" تمُھاری چیزیں میں لا دُوں گی ۔" لڑکی نے کہا ۔

" چابی تو میرے پاس ہے ۔" دِلاور بولا ۔

" مجھے دے دو ۔" رُوبی نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا ۔

" میں دے سکتا ہُوں لیکن دُوں گا نہیں ۔" دلاور نے اُسے چڑانے کے لیے کہا ۔

وہ ہنس پڑی اور پھر ایک دم اُسے بُڑھیا یاد آ گئی اور وُہ اس کی تلاش میں بھاگ گئی ۔ کچھ دُور جا کر اُس نے دلاور کی طرف دیکھا اور بولی ۔" صُبح سات بجے ۔ یاد رکھنا ۔"

رُوبی کے جانے کے بعد دلاور خیالات کی دُنیا میں کھو گیا ۔ اُس نے سوچا کہ لڑکی لالچی ہے اور چھوٹی موٹی چیزیں دے کر اُس سے کام لیا جا سکتا ہے ۔

گوریلوں کی فوج

جب دلاور بورڈنگ سکُول میں داخل نہیں ہُوا تھا تو اُس نے لڑکوں کی ایک پارٹی بنائی تھی ۔ جس کا وُہ سردار تھا ۔ اب وُہ اِس پارٹی کا سردار نہیں تھا لیکن پھر بھی تمام لڑکے اس کا حُکم مانتے تھے ۔ اُسے اِس پارٹی کا خیال آیا تو اس نے لڑکوں کے ذریعے محمّد خان کے خلاف گوریلا جنگ لڑنے کا منصُوبہ بنایا ۔

وُہ محمّد خان کو اِتنا تنگ کرنا چاہتا تھا کہ وُہ عاجز آ کر باڑ اُتار دے اور لوگوں کو تمام راستے پہلے کی طرح اِستعمال کرنے کی اِجازت دے دے ۔

توفیق ، جو اب پارٹی کا سردار تھا ، دِلاور کا پکّا دوست تھا ۔ وُہ بچپن سے ایک ساتھ

پلے بڑھے تھے اور پانچویں جماعت تک ایک ہی سکول میں ساتھ ساتھ پڑھتے رہے تھے۔ دِلاور کو یقین تھا کہ توفیق ضرور اس کا ساتھ دے گا۔ اُسے پتا تھا کہ اِس وقت لڑکے تالاب پر جا کر نہاتے ہیں اِس لیے وُہ سیدھا تالاب پر پہنچا۔

لڑکوں نے اُسے دُور ہی سے دیکھ لیا اور نعرے لگانے شروع کر دیے۔ اُنھوں نے اِتنا شور مچایا کہ درختوں میں دبکے ہُوئے اِکّا دُکّا پرندے ڈر کر اُڑ گئے۔ شور مچانے کے ساتھ ساتھ وُہ ایک دُوسرے پر ہاتھوں سے پانی بھی اُچھال رہے تھے۔

دِلاور کو دیکھ کر لڑکے ایک دم باہر نِکل آئے اور اُس کے گِرد جمع ہو گئے۔ جب شور تھم گیا تو پھر بات چیت شروع ہُوئی — یہ لڑکے بھی محمّد خان سے ناراض تھے کیوں کہ باڑ کی وجہ سے اُن کو لمبا فاصلہ طے کر کے سکول جانا پڑتا تھا۔ محمّد خان کے کُتّوں سے تو اُن کو سخت چِڑ تھی۔

ہر لڑکے نے محمّد خان کو تنگ کرنے کے

لِیے اپنی اپنی تجویز پیش کی مگر کوئی ایسی تجویز پیش نہ کر سکا جس پر ساری پارٹی کو اِتّفاق ہوتا۔

آخر اُنھوں نے یہ طے کیا کہ وُہ سب محمّد خان کے پاس جائیں اور اُس سے بات کریں۔ یہ طے کر کے وُہ اسی وقت محمّد خان سے ملنے کے لِیے چل دِیے۔ کُتّوں اور باڑ کی وجہ سے وُہ حویلی کے قریب نہیں جا سکتے تھے۔ جب کوئی آدمی باہر نہ نِکلا تو اُنھوں نے باڑ پر پتھراؤ شروع کر دیا تا کہ شور سُن کر محمّد خان باہر نِکل آئے۔ محمّد خان شاید ان سے بھی زیادہ ڈھیٹ تھا۔ اس نے باہر آنے کی قسم کھا رکھی تھی اِس لِیے لڑکے تھک ہار کر واپس آ گئے۔ اب اُنھوں نے دُوسری سکیم تیار کی اور ہر لڑکے کو اس کا کام اچھی طرح سمجھا دیا۔

اس کے بعد یہ ہونے لگا کہ جب بھی محمّد خان کی گاڑی کہیں کھڑی نظر آتی لڑکے اس کے نیچے گیند پھینک دیتے اور گیند نکالنے

کے بہانے پہیّوں کی ہوا نکال دیتے - اور اگر موقع ملتا تو پٹرول کی ٹینکی میں ریت بھی ڈال دیتے - اس پر تنگ آ کر محمّد خان نے لڑکوں کے ہیڈ ماسٹر سے شکایت کی لیکن لڑکوں پر اس کا کوئی اثر نہ ہُوا -

لڑکوں نے کُتّوں کو زہر دے کر مارنے کا فیصلہ بھی کیا لیکن دلاور بے زبان جانوروں پر ظُلم کرنے کے خلاف تھا - اس نے ان کی یہ بات نہ مانی - اسے لڑکوں سے یہ بھی پتا چل گیا تھا کہ رُدبی کے پلّے کو پارٹی نے ہی زہر دے کر مارا تھا -

دِلاور نے کہا " ہمیں قانون کے خلاف کام نہیں کرنا چاہیے - کوئی ایسی ترکیب سوچنی چاہیے جس سے ہم پر کوئی حرف نہ آ سکے " پھر اُس نے خود ہی اُنھیں بتایا کہ اگر وُہ رات کو اس مقام پر جا کر کھڑے ہو جائیں جہاں کُتّے ہوں تو کُتّے بھونک بھونک کر اپنے مالکوں کی نیند حرام کر دیں گے اور اِس طرح لڑکوں کو کچھ بھی نہیں کرنا پڑے گا -

" ہمیں باڑ کے ساتھ لگ کر کھڑا ہونا ہو گا - اگر کُتّوں کی آواز سُن کر کوئی اِدھر آتا نظر آئے گا تو ہم فوراً جھاڑیوں میں چھُپ جایا کریں گے اِس طرح ہم محمّد خان کو خُوب تنگ کر سکتے ہیں "

یہ تجویز لڑکوں نے مان لی اور سب نے خوش ہو کر ہُلڑ مچا دیا - دلاور نے ان کو بڑی مُشکل سے چُپ کرایا اور پھر رات کا پروگرام بننے لگا -

رات کے وقت سارے لڑکے نہیں آ سکتے تھے - کئی لڑکوں کو گھر پر کام تھا اور کئی کو اِجازت نہیں مِل سکتی تھی - یہ دلاور کے خیال میں اچھّا ہی تھا - اس کو اِتنے بھیڑ بھڑکّے کی ضرورت بھی نہیں تھی -

رات کو چھ لڑکے تیار ہو کر آئے - دِلاور نے اُن کو بتا دیا کہ اُنھیں کہاں چھُپنا ہے اور کیا کرنا ہے - ایک دُوسرے کو خطرے سے آگاہ کرنے کے لیے اُنھوں نے جانوروں کی بولیاں بولنے کا فیصلہ کیا -

دِلاور نے کہا کہ میں اور توفیق حویلی کے

سامنے ، باڑ کے دروازے کے پاس زور زور سے سیٹیاں بجائیں گے تا کہ کُتّے بھونکنا شروع کر دیں - اگر محمّد خان باہر نکل آیا اور مجھے دیکھ بھی لیا تو میں کوٹھڑی سے سامان نکالنے کا بہانا کر دُوں گا اور اگر محمّد خان نے مجھے اندر لے جا کر قید کر دیا تو توفیق سب کو آ کر بتا دے گا -

لیکن حیرت ہے کہ اس رات ان کو کُتّے کہیں نظر ہی نہ آئے - نہ محمّد خان یا اُس کا کوئی آدمی ہی دِکھائی دیا - لڑکوں کو اندھیری رات میں باڑ کے گرد چکّر لگانے میں بڑی دُشواری پیش آ رہی تھی - کہیں کوئی ٹیلا آ جاتا ، کہیں کسی گڑھے میں پاؤں جا پڑتا ، کہیں وہ جھاڑیوں میں اُلجھ جاتے ، کہیں پاؤں ریت میں دھنس جاتے - ایک گھنٹا گھُومنے پھرنے کے بعد لڑکے دِل چھوڑ گئے - دراصل اب ان کو نیند بھی آ رہی تھی اور گھر والوں کا بھی ڈر تھا - اِس کے عِلاوہ باڑ کے اندر اِتنی خاموشی تھی کہ قبرستان کا گمان ہوتا تھا -

لیکن دلاور مقصد حاصِل کیے بغیر واپس جانا نہ چاہتا تھا - اُسے اچانک کچھ ہونے کی اُمّید تھی - اُس کی نظر میں یہ خاموشی اور ویرانی بے معنی نہیں تھی - اُس نے سوچا کُتّے کسی خاص مقام پر پہرا دے رہے ہیں اور جاگیر کے آدمی وہیں کچھ کر رہے ہیں - وُہ کیا کر رہے ہیں ؟ اس کا دلاور کو پتا نہیں تھا - لیکن اس کا دِل کہہ رہا تھا کہ وُہ ضرُور کسی خُفیہ اور خطرناک کام میں مصرُوف ہیں -

دِلاور نے یہ بات اپنے ساتھیوں کو بھی بتائی اور کہا " یہاں سے ایک میل دُور جو فارم ہے ، اگر ہم وہاں چل کر دیکھیں تو ضرُور کوئی نئی بات معلُوم ہو سکتی ہے "

" میں تمھارے ساتھ جانے کے لیے تیّار ہُوں " توفیق نے کہا -

لڑکوں کو کچھ باتیں سمجھا کر دلاور اور توفیق فارم کی طرف چل دِیے - اس رات موسم بہت خراب تھا لیکن وُہ موسم کی خرابی سے بے نیاز اپنے سفر میں مگن تھے -

اچانک دُور سے روشنی نظر آئی ۔ دِلاور نے توفیق کا ہاتھ پکڑ کر ایک گڑھے میں چھلانگ لگا دی ۔ گڑھے میں پانی بھرا ہُوا تھا جس سے ان کے کپڑے خراب ہو گئے ۔

"اگر کوئی ہمیں دیکھ بھی لے تو کیا قیامت آ جائے گی ؟ ہم چوری کرنے تو نہیں جا رہے اِتنا ڈرنے کی کیا ضرورت ہے ؟" توفیق نے کہا ۔

"اگر تُم واپس جانا چاہتے ہو تو چلے جاؤ ۔ میں تمھیں روکوں گا نہیں ۔" دلاور نے ناراض ہو کر کہا ۔" میں نہیں چاہتا کہ وُہ لوگ ہمیں پہچان لیں اور سارا کام چوپٹ ہو جائے ۔ میرے لیے یہ بُہت اہم کام ہے ۔ محمّد خان کا راز فاش کرنے کا میں نے عہد کر رکھا ہے ۔ چاہے اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے ۔"

اِتنے میں ان کی نظر اس روشنی کی طرف گئی جو سڑک کے کِنارے اُگے ہُوئے درختوں میں سے پھُوٹ رہی تھی مگر وُہ ایک دم بجھ گئی ۔ عجیب بات یہ تھی کہ یہ روشنی کافی اُونچائی

پر تھی ۔ پھر اُنھوں نے ایسی آوازیں سُنیں جو جنگلی بطخ کی چیخ سے ملتی جُلتی تھیں ۔ پھر دوبارہ وہی روشنی نظر آئی ۔ اب جو اُنھوں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہُوا کہ ایک آدمی سگریٹ سُلگا رہا ہے اور دُوسرے نے لالٹین جلا رکھا ہے ۔ وُہ ایک لاری میں کھڑے تھے اس لیے زمین سے کافی اُونچے تھے ۔

لڑکوں نے سوچا کہ آخر یہ لوگ اندھیرے میں چھُپے ہُوئے کیا کر رہے ہیں ؟ جب وُہ کش لگاتے تو ان کے سگرٹوں کے سرے روشن ہو جاتے اور پھر یہ روشنی غائب ہو جاتی ۔

وُہ دونوں فارم کی طرف چلتے چلے گئے ۔ اچانک اُن کے کانوں میں کسی انجن کے سٹارٹ ہونے کی آواز آئی ۔ پھر انھیں کار کے ٹائیروں کے نیچے کنکروں کے بولنے کی آواز سُنائی دی یہ کار سڑک کے ساتھ والے درختوں میں چھُپی ہُوئی لاری کی طرف جا رہی تھی ۔ پھر وُہ کار واپس آ گئی ۔ اُس کے پیچھے وہی لاری تھی اور اُس کے پیچھے ایک بُہت بڑا ٹرک جو سامان

سے لدا ہُوا تھا۔ ایک آدمی سڑک پر کھڑا ہُوا دیکھ رہا تھا کہ کوئی آ تو نہیں رہا۔ صاف ظاہر تھا کہ وُہ لوگ اپنی اس کارروائی کو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے۔

اِتنے میں دُور سے ایک کار کی روشنیاں نظر آئیں۔ کار، لاری اور ٹرک نے فوراً اپنی بتّیاں بُجھا دیں۔ جب کار دلاور کے قریب سے گُزری تو اُس نے اس میں چند پولیس والوں کو بیٹھے ہُوئے دیکھا۔ اس کا جی چاہا کہ کار رُکوا کر پولیس والوں سے کہے کہ وہ ان گاڑیوں کا پیچھا کریں لیکن نہ جانے کیا سوچ کر وُہ جہاں چُھپا ہُوا تھا وہیں چُھپا رہا۔

اُس کے بعد اُنھوں نے ایک اور کار دیکھی جس میں اُن کے اندازے کے مُطابق مُحمّد خان بیٹھا ہُوا تھا۔ اب ایک کار آگے تھی اور ایک پیچھے اور ان دونوں کاروں کے درمیان لاری اور ٹرک۔ یہ قافلہ کسی نا معلُوم منزل کی طرف جا رہا تھا۔

ٹرک کے اُوپر جھاڑیاں وغیرہ ڈال کر اُس

کے سامان کو چُھپا دیا گیا تھا اور اس طرح وُہ فوجی ٹرک لگ رہا تھا۔ کیوں کہ جنگ کے زمانے میں دشمن کو دھوکا دینے کے لیے فوجی ٹرکوں کے اُوپر جال ڈال دیتے ہیں یا جھاڑیاں لگا دیتے ہیں۔

اب کافی رات بیت چُکی تھی۔ اِس لیے وُہ کل آنے کا فیصلہ کر کے واپس آ گئے۔ جب وُہ اس مقام پر پہنچے جہاں ان کے ساتھیوں کو ہونا چاہیے تھا تو ان کو بے حد مایُوسی ہُوئی۔ لڑکے گھروں کو جا چکے تھے۔ دلاور اور توفیق کو ان کی اس حرکت پر سخت غُصّہ آیا۔

اب اُنھوں نے حویلی کی طرف دیکھا جس کے اندر روشنی ہو رہی تھی۔ ایک کھڑکی میں اُن کو کُبڑی عورت کی جھلک دکھائی دی۔ وُہ شاید آدمیوں کے واپس آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ دونوں لڑکوں کی ٹانگیں تھک گئی تھیں اور آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ اس لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وُہ بھی گھر چلے جائیں۔

پہلے تو دِلاور نے یہ سوچا کہ وُہ اِس واقع کی اِطّلاع لوگوں کو دے دے لیکن پھر اُس کو خیال آیا کہ میری بات کوئی نہیں مانے گا۔ اِس کے عِلاوہ وُہ ابھی اور معلُومات حاصِل کرنا چاہتا تھا۔

دوستی

دِلاور گھر پہنچا تو تائی مریم چیل کی طرح اس پر جھپٹیں۔ اگر اس کو کُچھ ہو جاتا تو سارا اِلزام اُن پر آنا تھا کیوں کہ وُہ اس کی نگرانی میں تھا۔

"مُجھے پتا ہوتا کہ تم ایسے ہو تو میں ہر گز تمُھیں اپنے ہاں رکھنے کی ہامی نہ بھرتی۔ کپڑوں کا حال دیکھو۔ جاؤ جا کر کپڑے بدلو اور مُنہ ہاتھ دھو۔ تمُھارے ماں باپ آ لیں اگر تمُھاری ٹھکائی نہ کروائی تو کہنا۔ میں تو عاجز آ کر پولیس کو اِطّلاع کروانے والی تھی۔" اُنھوں نے غُصّے سے کہا۔

دِلاور چُپ چاپ غُسل خانے کی طرف چلا گیا۔ مُنہ ہاتھ دھو کر اُس کو کُچھ ہوش آیا۔

اور کپڑے بدل کر وُہ اپنے آپ کو ہلکا پُھلکا اور تازہ دم محسُوس کرنے لگا۔

"چلو کھانا کھاؤ" تائی مریم نے نرمی سے کہا۔" سالن ٹھنڈا برف ہو چُکا ہے — اور بوٹیاں ہڈیاں بن گئی ہیں۔ تمھاری سزا یہی ہے کہ اِسی کو کھاؤ"

جب وُہ کھانے لگا تو تائی نے سالن کا ڈونگا اُٹھا لیا اور جھٹ پٹ گرم کر کے لے آئیں۔ ان کو دلاور سے بڑی محبّت تھی اور یہ ساری ڈانٹ ڈپٹ بناوٹی تھی۔

دلاور بھُوک سے بے تاب ہو رہا تھا۔ وُہ کھانے پر ٹوٹ پڑا۔ کھانا بڑا مزے دار تھا اُس نے خُوب جی بھر کے کھایا۔ تائی اُسے محبّت بھری نظروں سے دیکھتی رہیں۔ دلاور کو وہ اپنا بیٹا ہی سمجھتی تھیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اُسے کھُلی چھٹّی دے دی جاتی۔

جب وُہ کھانے سے فارغ ہو گیا تو اُس نے تائی کو محمّد خان کی خُفیہ سرگرمیوں کے بارے

میں بتا دیا۔

اُنھوں نے برتن سمیٹتے ہُوئے کہا: "چلو چل کر سو رہو تُمھارے لیے یہی بہتر ہے"

"آپ اِتنی اہم بات کو یُوں ٹال رہی ہیں" دلاور نے کہا۔

"میں سب سمجھتی ہُوں۔ تُم پر سُراغ رسانی کا بھُوت سوار ہے۔ تُمھارے باپ مجھے تاکید کر کے گئے تھے۔ میں تم کو ایسی حرکتوں کی اِجازت نہیں دے سکتی۔ وُہ آ جائیں تو جو جی چاہے کرتے پھرنا۔ پھر میری ذمّہ داری نہیں ہو گی"

دلاور سوچ رہا تھا کہ کس کو محمّد خان کی سرگرمیوں کی اِطّلاع دے؟ اس کے خیال میں عزّت پُور کے ایک زمیندار کیپٹن ایاز ہی ایسے آدمی تھے جو کچھ کر سکتے تھے۔ پھر وُہ یہی سوچتا سوچتا غسل خانے میں جا کر دانت صاف کرنے لگا۔ اِس کے بعد بتّی بُجھا کر بستر پر لیٹ گیا اور جھُوٹ موٹ خرّاٹے لینے لگا، جیسے گہری نیند سو رہا ہے۔

تھوڑی دیر بعد تائی مریم اس کو دیکھنے کے لیے آئیں اور بستر کے پاس آ کر اس پر جھک گئیں۔ انھوں نے اُس کے ماتھے کو چُوما اور خُدا حافظ کہہ کر باہر نکل گئیں۔ دِلاور ادھ کھلی آنکھوں سے یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ جب تائی مریم نے دروازہ بند کر دیا تو اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ وُہ اِتنا تھکا ہُوا تھا کہ اگر فوراً آنکھیں نہ کھولتا تو نیند اس کو اپنی آغوش میں لے لیتی۔ وُہ بستر پر اُٹھ کر بیٹھ گیا اور تائی کے قدموں کی آواز سُنتا رہا پھر اسے اُن کے کمرے کا دروازہ بند ہونے کی آواز آئی اور پھر اُنھوں نے بتّی بُجھا دی —— سارا گھر اندھیرے میں گُم ہو گیا۔

دِلاور کو زور کی نیند آ رہی تھی۔ نیند کو بھگانے کے لیے وُہ اُٹھ کر کھڑکی کے قریب گیا، پردہ ہٹایا اور باہر دیکھنے لگا۔ چاند نکل آیا تھا۔ ہَوا تھمی ہُوئی تھی۔ کہیں کہیں روشنی جگنوؤں کی طرح نظر آ رہی تھی۔

"آخر اس ٹرک میں کیا تھا؟ وُہ لاری کیوں

اُن کے ساتھ جا رہی تھی؟" اس سوال نے دِلاور کو بے چین کر رکھا تھا آخر وُہ ساڑھے چھ بجے صُبح کا الارم لگا کر سو گیا۔ یہ احتیاط اُس نے اِس لیے کی تھی کہ وُہ ٹھیک سات بجے صُبح روبی سے مِلنا چاہتا تھا۔

اُس نے طے کر رکھا تھا کہ وُہ صُبح بغیر ناشتا کیے نکل جائے گا اور یہی ہُوا۔ الارم نے اُسے صُبح چھ بج کر تیس منٹ پر جگا دیا۔ اُٹھتے ہی اُس نے سب سے پہلے گھڑی کا الارم بند کیا۔ پھر ہاتھ مُنہ دھویا اور چُپکے سے بستر پر رُقعہ رکھ کر باہر نکل گیا رُقعے میں اُس نے لکھا تھا:

"تائی جی، میں سلاد لینے کھیتوں کی طرف جا رہا ہُوں۔ دیر ہو جائے تو آپ فِکر نہ کریں۔ آپ کا

دِلاور

یہ سلاد کا موسم نہیں تھا۔ اگر وُہ خالی ہاتھ واپس آتا تو یہ بہانا بنا سکتا تھا کہ سلاد تلاش تو بہت کیا لیکن مِلا نہیں۔

ابھی وُہ باہر نکل ہی رہا تھا کہ اُسے یاد آیا کہ اس نے رُوبی سے کئی چیزوں کا وعدہ کر رکھا ہے - چیزیں لینے کے لیے اس کو پھر اندر جانا پڑا - اس نے رُوبی کے لیے ایک پُرانی سکیچ بُک ، چند رنگین پنسلیں ، جن کے سکّے ٹوٹ چکے تھے اور ایک پنسل تراش لے لیا راستے میں وہ پنسل تراش سے پنسلیں تراشتا رہا —

موسم بہت اچھا تھا - ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی - سبزے پر شبنم کے قطرے نظر آ رہے تھے - پرندے اِدھر اُدھر خوشی سے چہکتے ہُوئے اُڑ رہے تھے - آسمان صاف شفّاف تھا - دُور دُور تک بادلوں کا نام نشان نہ تھا - اس کا مطلب یہ تھا کہ آج دِن گرم ہو گا - اُس کو یاد آیا کہ رات توفیق نے اس سے کہا تھا کہ وُہ سب لڑکوں کو صُبح گیارہ بجے تالاب پر آنے کے لیے کہہ دے گا - اُس نے سوچا ، آج تالاب پر نہانے کا مزہ آ جائے گا -

دلاور اب جاگیر کی حد میں داخل ہو گیا تھا۔ وُہ حویلی کے سامنے جا کر ٹھہر گیا - وہاں ہر طرف خاموشی چھائی ہُوئی تھی - رُوبی کافی دیر سے ایک درخت کے نیچے چھپی ہُوئی تھی اِس لیے وُہ دلاور کو نظر نہیں آ رہی تھی - پھر دلاور نے اس کی سیٹی کی آواز سُنی - اُس نے وہی پھٹا پُرانا لباس پہن رکھا تھا - اور قمیص کے کف کہنیوں تک چڑھا رکھے تھے -

وُہ دلاور کو پہچان کر اس کی طرف دوڑی اور ہاتھ اُٹھا کر پُوچھا -" میری چیزیں ؟" اس کی آواز کچھ بھاری اور بیٹھی ہُوئی تھی -

رُوبی کو چیزیں حاصل کرنے کی دُھن تھی۔ اب وُہ باڑ کے قریب آ گئی تھی - دلاور نے ہاتھ بڑھا کر سکیچ بُک اُسے دے دی - جُونہی اس نے سکیچ بُک کھول کر دیکھی وُہ پھٹ پڑی : " یہ تو پُرانی ہے "

" میرا خیال تھا ، شرُوع میں یہ تمہیں کام دے جائے گی " دلاور بولا -

اب رُوبی نے پنسلیں گنیں " نیلی تو ان

میں ہے ہی نہیں ۔" اُس نے رونی آواز سے کہا ۔

"میں تمھارے لیے پنسل تراش بھی لایا ہُوں" دلاور نے اُسے خُوش کرنے کے لیے کہا اور جیب سے پنسل تراش نکال کر اُسے دے دیا ۔

"اس دُکان میں مَیں نے بُہت اچھّا کلر بکس دیکھا تھا ۔" وُہ بولی ۔

"میرے پاس اس وقت پیسے ہوتے تو میں وُہ تم کو خرید دیتا ۔" دلاور بولا ۔

"میں وُہ ضرُور لُوں گی ۔" لڑکی نے کہا ۔

"اگر میں اِس باڑ کے اندر آ سکوں تو میں تُم کو اِس سے بھی اچھّی چیزیں دے سکتا ہُوں رنگین پنسلیں ، کلر بکس ، برش اور ایک بڑی سی ڈرائنگ بُک ۔" دِلاور نے اس کو لالچ دیا وُہ کچھ دیر چُپ رہی پھر بھاگ کر حویلی کی طرف چلی گئی ۔

کچھ دُور جا کر وُہ مُڑی ۔ اُس نے مُنہ سے تو کچھ نہ کہا لیکن اس کی اِس حرکت کا مطلب یہ تھا کہ دِلاور اُس کے پیچھے پیچھے آئے ۔

دِلاور نے ہمّت کر کے دروازہ ذرا سا کھولا اور باڑ کے اندر چلا گیا ۔ پھر وہ اُس کے پیچھے پیچھے ہو لیا ۔ وُہ جس طرف جا رہی تھی ، اُدھر گھاس اتنی اُونچی تھی کہ وُہ اس میں چُھپ چُھپ جاتی تھی ۔

دلاور کچھ فاصلہ دے کر اس کا پیچھا کر رہا تھا ۔ اُسے اس لڑکی کا بالکل اعتبار نہ تھا اگر وُہ اِس سے کوٹھڑی کی چابی چھین سکتی تو اب تک چھین کر بھاگ بھی چکی ہوتی اور جا کر فوراً سارا سامان اپنے قبضے میں کر لیتی اُس نے مُڑ کر دیکھا کہ دلاور آ رہا ہے یا نہیں ۔ وُہ اسے نظر آ گیا تو وُہ پھر دوڑنے لگی ۔ کچھ دُور جا کر وہ بلوط کے ایک گرے ہُوئے درخت کے پاس کھڑی ہو گئی اور دِلاور کا اِنتظار کرنے لگی ۔ جب دِلاور اُس کے قریب پہنچ گیا تو وُہ وہیں کھڑی رہی ۔

"تم یہاں ٹھہرو ۔" وُہ بولی ۔

"کیوں ؟" دِلاور نے سوال کیا ۔

"اِنتظار کرو ۔" وُہ حکم دیتے ہُوئے بولی ،

اور جواب سُنے بغیر دوڑ لگا دی -

دِلاور کا دِل دھک دھک کر رہا تھا - اس نے سوچا ، ہو سکتا ہے وُہ کسی کو بُلا لائے اور اس سے چابی چھین لے - وُہ پچاس گز دُور جا کر ایک گھنے درخت پر چڑھ گیا اور اپنے آپ کو پتّوں میں چھُپا لیا - اب اُسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا -

کافی دیر بعد رُوبی نمودار ہُوئی - دِلاور کا دِل ڈوبنے لگا - وُہ اپنے ساتھ ایک بڑے سے کُتّے کو لے کر آ رہی تھی جو بے حد خوف ناک لگ رہا تھا - وُہ کُتّے اور رُوبی کو اِدھر اُدھر گھُومتے ہُوئے دیکھتا رہا لیکن خُود وہیں چھُپا بیٹھا رہا -

کُتّے نے اب دِلاور کی بُو پا لی تھی اور بھونکنا شرُوع کر دیا تھا - وُہ دوڑتا ہُوا اُس درخت کے نیچے آ گیا جس پر دِلاور چھُپا بیٹھا تھا اور درخت کے گرد چکّر لگا لگا کر زور زور سے بھونکنے لگا - اِتنی دیر میں رُوبی بھی کُتّے کے قریب پہنچ گئی - اب کُتّے نے

اگلے پاؤں اُٹھا کر درخت پر چڑھنے کی کوشش شرُوع کر دی -

دلاور کا دِل زور زور سے دھڑکنے لگا - پھر اُسے رُوبی کی آواز سُنائی دی جو دِلاور دلاور پُکار رہی تھی - اس آواز میں نرمی تھی یہ آواز کسی چابی چھیننے والی کی نہیں ہو سکتی تھی - دلاور نے درخت سے نیچے اُترنا شرُوع کر دیا - اُسے دیکھ کر رُوبی نے کُتّے کو شور مچانے سے منع کیا اور درخت سے کچھ دُور ہٹ کر کھڑی ہو گئی -

" وہاں تم کیا کر رہے تھے ؟ آ جاؤ ، کُتّے سے مت ڈرو " رُوبی نے کہا -

" اگر میرے پاس ایسا کُتّا ہو تو کیا تم نہیں ڈرو گی ؟ " دلاور نیچے آ کر بولا -

رُوبی نے کُتّے کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا " اس کا نام ہے بھالُو - یہ تمھیں کچھ نہیں کہے گا - میں نے اُس کو منع کر دیا ہے "

پھر وُہ کُتّے کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی " بھالُو ..... دوست ..... دوست " پھر

اُس نے دِلاور کا ہاتھ پکڑ کر بھالو کی پُشت پر پھیرا اور دِلاور سے کہا: "اس کے قریب آؤ۔ اس کو اپنی بُو سُونگھنے دو۔"

کُتّا دُم ہلا ہلا کر دوستانہ نظروں سے دلاور کی طرف دیکھتا رہا۔ وُہ دِلاور کے کپڑوں کو سُونگھ رہا تھا تا کہ اپنے دوست کی بُو کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے ذہن میں محفُوظ کرلے اور جب کبھی اس سے ملاقات ہو تو فوراً اس کو پہچان لے۔

"میرا خیال تھا تم کُتّے سے ڈرا کر مجھ سے چابی چھین لو گی۔" دلاور نے کہا۔

"پہلے میرا یہی ارادہ تھا لیکن پھر میں نے سوچا کہ میں کِس کے ساتھ کھیلوں گی۔" رُوبی نے جواب دیا۔

"میں بیگم عُمران کے زمانے میں اِس علاقے میں بلا روک ٹوک گھُوما کرتا تھا۔ میں نے رنگا رنگ تتلیوں، خُوشبو دار پھُولوں اور پرندوں کے خُوبصُورت اور ننھّے مُنّے انڈوں کا خزانہ جمع کیا تھا۔ آج یہاں آ کر مجھے بے حد

خوشی ہوئی ہے۔" دلاور نے خوش ہو کر کہا۔

وہ اتنا خوش تھا کہ اس کے پیر زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ پھر اسے روبی کی قسمت پر رشک آیا جو جاگیر میں ہر جگہ بلا روک ٹوک پھر سکتی تھی۔ روبی نے ایک ہاتھ میں بھالو کی زنجیر پکڑ رکھی تھی، اور دوسرا ہاتھ دلاور کے ہاتھ میں دے رکھا تھا۔ وہ دلاور سے پوچھ رہی تھی: "کدھر ہے سامان؟ کدھر جانا ہے؟"

دلاور اس راستے پر ہو لیا جو باغ کی طرف جاتا تھا۔

"میں بہت خوش ہوں۔" روبی بولی۔

"کیوں؟" دلاور نے پوچھا۔

"میں یہاں اکیلی پڑے پڑے گھبرا گئی تھی۔" وہ بولی۔ پھر اس نے بھالو کی زنجیر اس کی گردن کے گرد لپیٹ کر کہا: "جاؤ۔" کتا یہ سنتے ہی حویلی کی طرف بھاگ گیا۔

"اگر اس دن تم مجھے چیزیں دینے کا وعدہ نہ کرتے تو میں اس دکان سے کلر بکس چرا

لاتی۔" روبی نے کہا۔

دلاور حیرت سے اس چھوٹی سی لڑکی کا منہ دیکھتا رہ گیا۔ وہ اکیلی تھی۔ کوئی اس کی سہیلی نہ تھی۔ اس کے لیے وقت گزارنا مشکل تھا وہ چاہتی تھی کوئی ایسا مشغلہ اس کے ہاتھ آ جائے جس سے اس کا وقت آسانی کے ساتھ کٹ جایا کرے۔ اس کی باتوں سے پتا چلتا تھا کہ گھر والے اس کا بالکل خیال نہیں رکھتے اور نہ اسے خرچ کے لیے پیسے دیتے ہیں۔ جاگیر والے شاید ایک بچی کی پرورش سے بھی زیادہ اہم کاموں میں مصروف تھے۔ یہی تنہائی کا احساس تھا۔ جس نے روبی ایسی معصوم بچی کو چوری کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اسی تنہائی کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے دلاور کو اپنا دوست بنایا تھا تاکہ وہ اس کے ساتھ کھیل سکے۔

"میں کلر بکس اس طرح چراتی کہ کسی کو پتا کبھی نہ چلتا۔" روبی بولی۔

دلاور نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ بھی دلاور کی طرف دیکھ رہی تھی ۔ جب دونوں کی نظریں ملیں تو وُہ مُسکرا دی ـــــ "کوٹھڑی کِدھر ہے ؟"

دلاور نے ہاتھ سے باغ کی چار دیواری کی طرف اِشارہ کیا جو اب سامنے نظر آ رہی تھی جُونہی رُوبی نے چار دیواری کی طرف دیکھا ، دُور سے ایک آواز آئی ۔

" دوڑو " رُوبی نے کہا اور بھاگنا شروع کر دیا ۔ وُہ دلاور سے پہلے باغ کے دروازے کے پاس پہنچ گئی اور وہاں کھڑے ہو کر بچّوں کی طرح چلّائی ۔" میں جیت گئی ـــ میں جیت گئی"

" چابی تو میرے پاس ہے " دِلاور نے کہا ۔ اور اُسے چابی جیب سے نِکال کر دِکھائی ۔

دلاور ایک ماہر جاسُوس کی طرح ان راستوں کو دیکھ رہا تھا جو باغ کے گردا گرد تھے ۔ اُسے وہاں کاروں ، لاریوں اور ٹرکوں کے ٹائروں کے نشانات نظر آئے ۔ پھر اُس نے آگے بڑھ کر باغ کے دروازے کو دھکیلا ۔ دروازہ چرچراتا ہُوا کھُل گیا ۔

بیگم عمران کے زمانے میں یہ باغ پُوری جاگیر کا دِل تھا ۔ اس کی دیکھ بھال بچّوں کی طرح کی جاتی تھی ۔ یہاں طرح طرح کے پھل دار درخت لگائے گئے تھے اور ہر طرح کی سبزیوں کے پودے لگے ہُوئے تھے ۔ باغ کا مالی ایک بوڑھا آدمی تھا ۔ اُس نے باغ کے ایک ایک پودے کو اپنا خُون پلا کر پروان چڑھایا تھا اور یہ پودے اُسے اپنی اولاد کی طرح عزیز تھے ۔ وہ باغ کو دیکھ کر خُوشی سے پھُولا نہ سماتا تھا اب چند ہی مہینوں میں یہ باغ ویران ہو چکا تھا ۔ پھُولوں کے پودے سُوکھ چُکے تھے ۔ دلاور نے مُرجھائے ہُوئے پھُول جمع کرنے شروع کر دیے ، لیکن جب اُس نے دیکھا کہ پتّیاں ہاتھ لگاتے ہی بکھر جاتی ہیں تو اُس نے رس بھریاں توڑنا شروع کر دیں ۔

اچانک اُس کی نظر باغ کے دروازے کی طرف گئی ۔ باغ کے باہر ، فارم کے پاس دو آدمی باتیں کرنے میں مشغُول تھے ۔ ان میں سے ایک تو بالکل محمّد خان لگ رہا تھا ۔

لیکن دُوسرے کے بارے میں دلاور کو کچھ پتا نہ تھا۔

اِتنے میں رُوبی نے اُسے آواز دی۔ وُہ اس کو نظر نہیں آ رہی تھی اِس لیے وُہ کوٹھڑی کی طرف چلا گیا۔ وُہ سکیچ بُک نکال کر اُس کو دے دینا چاہتا تھا تا کہ اُس کے بعد گھر جا کر کیپٹن ایاز سے ملے اور اُن سے کہے کہ وُہ جاگیر کے گِرد اپنے آدمیوں کا پہرا لگا دیں تا کہ مُحمّد خان کی سرگرمیوں کا پتا چلتا رہے۔

اچانک کسی نے جھاڑیوں میں سے اُچھل کر اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس نے زور سے ہاتھ پرے دھکیلا تو رُوبی ہنستی ہُوئی نظر آئی۔ "تم ..... نے ..... دیکھا۔" اُس کے مُنہ سے ہنسی کے مارے بات نہیں نکل رہی تھی۔

"کیا؟" دلاور نے پُوچھا لیکن وہ ہنسے لگی دلاور نے جھٹ کچھ رس بھریاں اُس کے مُنہ میں بھر دیں۔ رُوبی کو اُچھو لگ گیا۔ دِلاور کو یہ ڈر تھا کہ اس کی آواز سُن کر کوئی اِدھر

نہ آ جائے۔

"تُم یہاں بیٹھ کر رس بھریاں کھاؤ۔ میں ابھی آتا ہُوں۔" دلاور نے کہا۔

"ہم دونوں مِل کر کھاتے ہیں۔ ابھی ہمارے پاس پُورا دِن پڑا ہے۔" رُوبی بولی۔

"مجھے گھر پر کچھ کام ہے۔ اس لیے اب میں جانا چاہتا ہُوں۔" دلاور نے اُسے بتایا۔

"میرا خیال تھا تُم میرے ساتھ کھیلنے آئے ہو۔" رُوبی بولی۔ پھر اُس نے تنگ آ کر کہا "میں تو صرف کھیلنے کے لیے تُم کو یہاں لائی تھی۔"

دِلاور جانتا تھا کہ رُوبی فوراً کُتّوں کو بُلا سکتی ہے اور اُن سے نِنٹوں میں اس کی تِکّا بوٹی کروا سکتی ہے۔ اِس لیے اُس نے ذرا نرمی سے کہا: "میں تصویریں بنانے کا سامان دے کر چلا جاؤں گا اور گھر سے ہو کر جلد ہی واپس آ جاؤں گا۔ پھر ہم دونوں خُوب کھیلیں گے۔ یقین کرو۔"

"اچھّا۔" رُوبی مان گئی۔

"تم یہاں ٹھہرو - میں سامان نکال کر لاتا ہوں" دلاور نے کہا -

"نہیں - میں یہاں نہیں ٹھہروں گی" رُوبی نے اِنکار کر دیا -

"کیوں ؟" دلاور نے سوال کیا -

"میں تمھارے ساتھ کوٹھڑی میں جاؤں گی - میں سارا سامان دیکھوں گی"

اس پر دلاور ناراض ہو گیا "میں نے تم سے ایسا کوئی وعدہ نہیں کیا تھا - تم جو جی چاہے لے لینا لیکن میں کوٹھڑی میں تمھیں نہیں لے جاؤں گا"

دلاور کو خطرہ تھا کہ وُہ اندر جا کر چیزیں دیکھنے میں بہت دیر لگا دے اور وُہ جلد گھر نہیں جا سکے گا -

دلاور نے کچھ رس بھریاں توڑ کر اُس کی ہتھیلی پر رکھ دیں تا کہ وُہ اس کی واپسی تک اُنھیں کھاتی رہے -

"تم بڑے چالاک ہو" وُہ ہنسی -

"اور تم ؟" دلاور نے پُوچھا -

"میں بھی چالاک ہُوں - مجھے چالاک لوگ اچھے لگتے ہیں" یہ کہہ کر وہ رس بھریاں کھانے لگی -

دلاور نے کوٹھڑی کا تالا کھولا اور اندر چلا گیا - پھر اُس نے صندُوق کھول کر اس میں سے تصویریں بنانے کا سامان ، رنگین پنسلیں رنگ برش اور کاپیاں نکالیں - اس کا جی چاہ رہا تھا کہ اپنے سامان کو خُوب اچھی طرح دیکھے لیکن وُہ دل پر جبر کر کے فوراً باہر نکل آیا - اُس نے رُوبی کو یہ چیزیں دے کر کہا "جب میں چلا جاؤں تب تم اِنھیں دیکھنا -

"تم چلے جاؤ گے تو میں کیا کروں گی؟" رُوبی نے اُداس ہو کر کہا -

"تم تصویریں بنانا - میں دیکھوں گا کہ کیسی تصویریں بناتی ہو"

بُرے پھنسے

"نکل جاؤ میرے گھر سے۔" تائی مریم نے غصّے سے کہا۔ "اگر تم میرے بیٹے ہوتے تو میں تمھیں مزہ چکھا دیتی۔ تم نہ جانے کس مٹّی کے بنے ہو۔ آ لیں تمھارے ماں باپ۔ ذرا گھڑی کی طرف دیکھو۔ گیارہ بج رہے ہیں۔ تم سمجھتے ہو گے میں تمھارے جھوٹ کو سچ مان لوں گی۔ بولو کہاں گئے تھے؟"

دلاور چُپ رہا اور تائی مریم بڑبڑاتی ہوئی چلی گئیں۔ میز پر تازہ اخبار پڑا ہوا تھا۔ دلاور نے اُسے اُٹھا کر پڑھنا شروع کیا۔ اخبار میں سمگلروں کی بہت سی خبریں تھیں اور نامہ نگاروں نے لکھا تھا کہ اگر ان کی سرکوبی نہ کی گئی تو ان کی ہمت اور بڑھ جائے گی

اور اس سے مُلک کو بہت نقصان پہنچے گا۔

"چلو چھوڑو اخبار پہلے ناشتا کر لو ——— فٹا فٹ۔" تائی دلاور کے لیے انڈے، مکھن، توس اور دُودھ لے آئی تھیں۔

دلاور نے اس طرح ان کی طرف دیکھا کہ وُہ مُسکرا دیں۔

"جلدی کرو۔ پہلے ہی دیر ہو چکی ہے؟" وُہ بولیں۔

دلاور مزے لے لے کر ناشتا کرتا رہا اور ساتھ ہی ساتھ اخبار بھی پڑھتا رہا۔ تائی مریم باہر چلی گئی تھیں۔

اخبار میں یہ بھی لکھا تھا کہ بعض بڑے بڑے جاگیر دار سمگلروں کی حمایت کر رہے ہیں اور وُہ ابھی تک حکومت کی نظروں سے چھپے ہوئے ہیں۔ دلاور کا دھیان فوراً محمّد خان کی طرف گیا۔

"تم نے یہ توس تو کھائے ہی نہیں۔ شہد لا دوں؟" تائی مریم نے کمرے میں آ کر پوچھا۔

"نہیں ، بس - میں اور نہیں کھا سکتا - آپ کا بے حد شکریہ - ناشتا نہایت مزے دار تھا۔" دلاور نے کہا -

"تمھیں تو شہد بہت پسند ہے - پھر کیوں نہیں کھاتے ؟" تائی نے کہا -

"میرا پیٹ بھر چکا ہے ۔" دلاور نے کہا -

وہ لڑکوں سے ملنے کے لیے تالاب پر جانا چاہتا تھا لیکن تائی مریم کی وجہ سے باہر جانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی - تائی نے بیٹھ کر اخبار پڑھنا شروع کر دیا تھا اور وہاں سے ٹلنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں - دلاور کسی سوچ میں غرق تھا -

"تم سمگلروں کے بارے میں سوچ رہے ہو۔" اچانک تائی مریم نے کہا - وہ دلاور کے دل کی بات سمجھ گئی تھیں - "تم ابھی چھوٹے ہو - یہ بڑوں کے کرنے کے کام ہیں ۔"

"واہ تائی وا - ملک کے دشمن پوری قوم کے دشمن ہیں - ان کے خلاف جہاد کرنا ہر پاکستانی کا فرض ہے - مجھے تو محمد بن قاسم پر بھی

شک ہے کہ وہ سمگلروں کے کسی بہت بڑے گروہ کا لیڈر ہے - میں اس کا سراغ لگا کر رہوں گا ۔"

"اگر تمھیں کچھ ہو گیا تو میں تمھارے ماں باپ کو کیا جواب دوں گی ؟"

"مجھے کیا ہو سکتا ہے - میں چودہ سال کا ہوں - ہاتھ پاؤں کا مضبوط ہوں ۔" دلاور نے انھیں ہمت دلاتے ہوئے کہا - پھر اس نے ان سے درخواست کی کہ وہ اسے کچھ سینڈوچ بنا دیں تاکہ وہ تالاب پر نہانے کے لیے جا سکے -

"ہو سکتا ہے ہم سارا دن وہیں رہیں - اگر مجھے کچھ دیر ہو جائے تو آپ ناراض نہ ہوں ۔" دلاور نے کہا -

جب وہ دروازے کے پاس پہنچا تو انھوں نے اس کے سر کو اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور اس کے ماتھے کو محبت سے چوم لیا -

"تم بڑے شریر ہو - اللہ تمھارا نگہبان ہو۔

خیر سے آؤ اور خیر سے جاؤ۔"

تائی مریم کے محبّت بھرے بوسے نے دلاور کے سارے جسم کو پھول کی طرح ہلکا کر دیا تھا۔

وُہ تائی کو سلام کر کے تالاب کی طرف روانہ ہو گیا۔

سب سے پہلے وُہ توفیق کے گھر پہنچا۔ اُس کے والد گھر سے باہر نِکل رہے تھے۔ ان سے پتا چلا کہ توفیق تالاب پر جا چُکا ہے۔ یکایک اُسے خیال آیا کہ کیپٹن ایاز سے مِلنا چاہیے۔ کیپٹن ایاز فوج سے ریٹائر ہو کر اب کھیتی باڑی کرتے تھے۔ وُہ بھی اِتّفاق سے گھر پر ہی مِل گئے۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن جب تک کِسی کے خلاف ہمارے پاس ثبوت نہ ہو ہم پولیس کو اِطّلاع نہیں کر سکتے۔ ویسے بھی یہ بچّوں کا کام نہیں۔ کِسی سے اِن واقعات کا ذکر بھی نہ کرنا۔ سمجھے؟"

دلاور کو ان کی بات سُن کر بڑی حیرانی

ہُوئی۔ یہ کیسے لوگ ہیں؟ ثبوت! ثبوت! ثبوت! اِن میں اِتنی جرأت کیوں نہیں کہ خود تحقیقات کریں۔ شاباش دینے کی بجائے مجھے اس کام سے روکتے ہیں — واہ وا!

دلاور کو اس وقت بڑا غصّہ آ رہا تھا۔ اگر کیپٹن صاحب اُس کے چہرے کی طرف دیکھتے تو اس کی سُرخی اُنھیں بتا دیتی کہ وُہ کِس قدر غُصّے میں ہے۔

اچانک بجلی کی طرح ایک خیال دلاور کے ذہن میں آیا اور پھر اُس کو اپنی بے وقوفی پر افسوس ہونے لگا۔ کیپٹن ایاز بھی مُحمّد خان کے گروہ کا آدمی نہ ہو؟ اگر وُہ مُحمّد خان کے گروہ کا آدمی ہُوا تو فوراً مُحمّد خان کو خبر کر دے گا اور پھر مُحمّد خان اُسے اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش کرے گا۔ یہ سوچ کر تھوڑی دیر کے لیے وُہ گھبرا گیا۔ لیکن وُہ ڈرپوک نہ تھا۔

"دیکھا جائے گا۔ آیندہ میں ایسی بے وقوفی نہیں کروں گا اور اگر مُحمّد خان نے میرے خلاف

کوئی حرکت کی تو اُسے بھی مزا چکھا دُوں گا۔"

یہ الفاظ دلاور نے دِل میں کہے۔ اِس طرح

اُس کا حوصلہ بحال ہو گیا اور وہ ہر طرح کے

حالات سے نمٹنے کے لیے تیار ہو گیا۔ وُہ جانتا

تھا کہ ایسے کاموں میں سر دھڑ کی بازی لگ

دینی پڑتی ہے لیکن اُسے اِس بات پر بھی یقین

تھا کہ فتح آخر کار نیکی کی ہوتی ہے اور بدی

ہمیشہ حق سے شکست کھاتی ہے —— بُرے

لوگوں کا انجام بُہت بُرا ہوتا ہے۔ اُن کی

زندگی جیل کی کوٹھڑی میں کٹتی ہے اور وُہ

اپنے گناہوں کی سزا بھگتتے بھگتتے وہیں مر

جاتے ہیں۔

نہ جانے وُہ اور کتنی دیر انھیں خیالات

میں ڈوبا رہتا۔ اُسے اس وقت کسی بات کا

ہوش نہیں تھا۔ کیپٹن ایانہ کی آواز نے

اُسے نیند سے جگا دیا۔

"محمّد خان بڑا مال دار آدمی ہے۔ اُس کے

کارندے اس کے اِشارے پر جان لڑا دیتے

ہیں۔ میں تمھارے فائدے کے لیے کہتا ہوں

کہ کسی کو یہ بات نہ بتانا۔ اگر محمّد خان کو

پتا چل گیا تو وُہ ....."

"مجھے کیا پڑی ہے کہ میں لوگوں کو بتاتا

پھروں۔ میں اِس سلسلے میں کسی سے بھی بات

نہیں کروں گا۔" دلاور نے کہا اور پھر اُن

سے اِجازت لے کر باہر آ گیا۔ اُس نے دِل

میں طے کر لیا کہ اب وہ لڑکوں کو اِس مُہم

میں اپنے ساتھ شریک نہیں کرے گا۔ اِس

طرح بات کے پھیل جانے کا خطرہ تھا۔

وُہ سیدھا جاگیر کی طرف چل دیا۔ اس نے

ایسا راستہ اِختیار کیا جس سے وہ پہلے کبھی

نہیں گیا تھا۔ اس طرف پودوں کا ذخیرہ

تھا جس میں آسانی سے چُھپا جا سکتا تھا۔

ذخیرے میں پکنک کے لیے آنے والوں نے

زمین کے بڑے بڑے ٹکڑے بیٹھنے کے لیے

صاف کر رکھے تھے اور وہاں پھلوں کے چھلکے

ڈبل روٹی کے اُوپر سے اتارے ہُوئے کاغذ

اور اِس طرح کی دُوسری چیزیں پڑی ہُوئی

تھیں —— آس پاس کے درختوں پر کچھ

لوگوں نے چاقو سے اپنے نام کھود دیے تھے ۔ کہیں کہیں اینٹوں کے چولھے بنے ہوئے تھے جن پر کھانے پینے کی چیزیں گرم کی گئی تھیں۔

جوں جوں دلاور آگے بڑھتا گیا ، راستہ دشوار گزار ہوتا گیا ۔ بڑی مشکل سے وہ جاگیر کے قریب پہنچا ۔ وہاں ایک درخت گرا پڑا تھا۔ وہ اس کے تنے پر بیٹھ گیا اور سینڈوچ کھانے شروع کر دیے ۔ ایک چھوٹا سا خرگوش کہیں سے نکل آیا تھا اور ان ٹکڑوں کو کھا رہا تھا جو کھاتے وقت دلاور کے منہ سے گر رہے تھے ۔ دلاور ایک آدھ ٹکڑا توڑ کر خود بھی گرا دیتا اور خرگوش سر اٹھا کر اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے اس کی طرف اس طرح دیکھتا جیسے شکریہ ادا کر رہا ہو ۔

دلاور جب چلنے کے لیے اٹھا تو اس کے راستے میں درخت کی ایک ٹہنی آ گئی ۔ اس نے ٹہنی کو ہٹانا چاہا تو اس کے ہاتھ میں کانٹا چبھ گیا اور زخم میں سے خون بہنے لگا اس کے پاس رومال نہیں تھا جس سے وہ

خون پونچھ سکتا ۔ خون بہہ بہہ کر خود ہی زخم پر جم گیا ۔

اس نے پھر چلنا شروع کر دیا ۔ وہ محمد خان کی خفیہ سرگرمیوں کی اطلاع پولیس کو دینے سے پہلے اس کے خلاف پکا ثبوت حاصل کرنا چاہتا تھا تا کہ اس کی بات پر پولیس والوں کو یقین آ جائے ۔

وہ ذخیرے کے ساتھ ساتھ اس طرف جا رہا تھا جدھر فارم تھا ۔ جب وہ فارم کے قریب پہنچا تو وہاں اسے کوئی تبدیلی نظر نہیں آئی وہ باڑ کے نیچے سے جاگیر کے اندر چلا گیا۔ یہاں اسے لاری کے انجن کی گھڑگھڑاہٹ سنائی دی لیکن لاری نظر نہیں آئی ۔ وہ بھاگ کر ایک درخت پر چڑھ گیا اور پتوں میں چھپ گیا ۔ جس وقت اسے لاری نظر آئی ، اس وقت وہ زمین سے دس فٹ اونچا تھا ۔ اس لاری پر رات والے ٹرک کی طرح جھاڑیاں نہیں لگائی گئی تھیں ۔ ایک کالا سیاہ آدمی لاری چلا رہا تھا اور اس کے ساتھ محمد خان

بیٹھا ہُوا تھا - اِتنے میں ایک کُتّا بھاگتا ہُوا آیا اور اس نے درخت کے نیچے کھڑے ہو کر بھونکنا شروع کر دیا - وہ لاری میں بیٹھے ہُوئے لوگوں کو بُلانا چاہتا تھا لیکن اِنجن اِتنا شور مچا رہا تھا کہ وُہ اس کی آواز نہ سُن سکے -

دلاور جلدی سے درخت پر اور اُوپر چڑھ گیا تا کہ کُتّا اُچھل کر اس کا پاؤں نہ پکڑ سکے - یہ وُہ کُتّا نہیں تھا جس سے رُوبی نے اُسے بِلایا تھا اور جس کا نام بھالُو تھا -

کُتّا بے تابی سے اِدھر اُدھر بھاگ رہا تھا پھر ایک دم نہ جانے کیوں وُہ غائب ہو گیا دلاور سمجھ گیا کہ وُہ کسی کو بُلانے کے لیے گیا ہے اور اگر وُہ درخت سے اُتر کر بھاگا تو کُتّا اُسے باڑ سے اِدھر ہی دبوچ لے گا - بچ نکلنے کی کوئی صُورت ہی نہ تھی - اگر وُہ چار دیواری والے باغ کی طرف چلا جاتا تو بھی پکڑا جانا لازمی تھا - وُہ درخت پر اُوپر ہی اُوپر چڑھنے لگا — نیچے اُتر کر کُتّے کا شکار ہو جانے سے بہتر تھا کہ وُہ محمّد خان کے ہاتھ

آ جائے -

دلاور درخت پر اِتنا اُونچا چڑھ چکا تھا کہ زمین پر سے اس کا نظر آنا ناممکن تھا - اُس نے لاری کا اِنجن سٹارٹ ہونے کی مدّھم سی آواز سُنی جو آدھ مِنٹ تک آتی رہی پھر اِنجن خاموش ہو گیا یا اس کا شور اس طیّارے کی آواز میں دب کر رہ گیا جو اس وقت دلاور کے سر کے اُوپر سے گزر رہا تھا -

جُونہی طیّارے کا شور کم ہُوا دلاور نے کُتّے کے بھونکنے کی آواز دوبارہ سُنی جو اب درخت کے نیچے آ چُکا تھا اور درخت پر چڑھنے کی سرتوڑ کوشش کر رہا تھا -

دلاور سمجھ گیا کہ لاری میں بیٹھے ہُوئے آدمیوں نے کُتّے کے بھونکنے کی طرف کوئی توجّہ نہیں دی اور وہ اُن کی طرف سے مایُوس ہو کر واپس آ گیا ہے -

" یا خُدا ، میری مدد کر —" اُس نے دُعا مانگی -

اچانک اُس نے کُتّے کی آواز میں خُوشی

سی محسوس کی ، جیسے اس کو کوئی اِدھر آتا ہُوا نظر آ گیا ہو - پھر وُہ خاموش ہو گیا - لیکن دلاور نے یُوں محسوس کیا جیسے کوئی درخت پر چڑھ رہا ہے -

یہ کون آیا ؟

دلاور درخت کی شاخوں میں اِس طرح چھُپا بیٹھا تھا کہ وُہ درخت پر چڑھنے والے کو دیکھ نہیں سکتا تھا - اس کا دل پیش آنے والے خطرے کے خیال سے بُری طرح دھڑک رہا تھا اور ماتھے سے پسینہ بہنا شرُوع ہو گیا تھا - نہ جانے محمّد خان اس کے ساتھ کیا سلُوک کرے وُہ یقیناً اس کو کسی کوٹھڑی میں بند کر دے گا - جہاں وہ بھُوکا پیاسا دم توڑ دے گا اور اس کے مرنے کا پتا کسی کو بھی نہ چل سکے گا - اس کے ماں باپ پر کیا بیتے گی ؟ وُہ تو رو رو کر پاگل ہو جائیں گے - وُہ تائی مریم کو کبھی معاف نہ کریں گے اور سارا اِلزام انھی کو دیں گے - دلاور کو تائی مریم کی حالت

پر رحم آنے لگا۔

"نہیں۔ نہیں۔ میں آخری دم تک مقابلہ کروں گا۔" اُس نے دل میں کہا۔ "یہ محمد خان مجھے اِتنی آسانی سے نہیں مار سکتا۔"

وہ ہوشیار ہو کر بیٹھ گیا تا کہ نیچے سے آنے والے کو اپنے پاؤں سے ایسا ٹھڈا رسید کرے کہ وہ زمین پر جا گرے۔

کوئی آہستہ آہستہ اُوپر آ رہا تھا۔ یُوں لگتا تھا۔ جیسے اُوپر آنے والے کو جلدی نہیں ہے اور نہ وہ اُوپر چڑھنے سے ڈر رہا ہے۔ اس سے دلاور اور خوف زدہ ہو گیا۔ اس نے اپنا چاقو نکال کر کھول لیا۔ اُس نے اِس چاقو سے کبھی اِتنا خوفناک کام نہیں لیا تھا لیکن اب جان بچانے کے لیے وہ سب کچھ کر گزرنے کو تیار تھا۔ جب آدمی کی جان پر بن جائے تو وہ کسی بات کی پروا نہیں کرتا۔

"پہلے میں صرف ڈراؤں گا۔" اس نے اپنے آپ سے کہا۔

اب اُس کے پاؤں کے نیچے شاخیں اور پتّے

ہلنے لگے تھے۔ پھر اُن میں سے ایک سر نمودار ہُوا۔ مگر، مگر یہ تو زُوبی تھی۔

زُوبی نے اُوپر دیکھا۔ جب اسے دلاور نظر آیا تو اس نے زور سے قہقہہ لگایا۔ دلاور اُسے دیکھ کر بے حد خوش ہُوا۔ اُس کا تنا ہُوا جسم ڈھیلا پڑ گیا اور اس نے سُکھ کا سانس لیا۔

زُوبی دلاور کو حیرت سے تک رہی تھی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ دلاور وہاں کیوں چھپا ہُوا تھا۔

"میری قسمت اچھی ہے کہ تم آ گئیں"۔ دلاور نے کہا۔

"تم یہاں کیا کر رہے تھے؟" زُوبی نے پُوچھا۔ "جمی تمھارا لحاظ نہیں کرتا۔ وہ بڑا ظالم کُتّا ہے۔"

"جمی؟" دلاور نے حیران ہو کر کُتّے کا نام دُہرایا۔

"ہاں"۔ یہ کہہ کر زُوبی اپنی جیب سے سیب نکال کر کھانے لگی۔ آدھا کھانے کے

بعد اس نے سیب دلاور کی طرف بڑھا دیا :
" کھاؤ "

دلاور نے سیب پکڑ لیا - سیب کچّا اور کھٹّا تھا - دلاور نے ذرا سا چکھا اور پھر مُنہ بنا کر رُوبی کو واپس دے دیا -

رُوبی نے سیب کھاتے ہُوئے کہا - " کتنا مزے دار ہے - ابھی وُہ لوگ واپس آ جائیں گے لیکن ہمیں اِس سے کیا - ہم اِن سے کیوں ڈریں ؟ ہم اُنھیں دُور ہی سے دیکھ کر چُھپ جائیں گے "

" لاری میں کون لوگ بیٹھے ہُوئے تھے ؟" دلاور نے پُوچھا " اور ان میں سے تمھارے ابّو کون تھے ؟ "

" ایک جمال خان تھا اور دُوسرا مُحمّد خان میرے ماں باپ نہیں ہیں - میں اکیلی ہُوں " رُوبی نے روتے ہُوئے کہا - ماں باپ کی یاد سے اس کا دل بھر آیا تھا -

" یہ لوگ تمھارے کیا لگتے ہیں ؟" دلاور نے پُوچھا -

" مجھے کیا پتا "

" تم ان کے پاس کیوں رہتی ہو ؟" دلاور کا یہ سوال رُوبی کی سمجھ میں نہیں آیا - وُہ آنکھیں پھاڑے اس کو دیکھتی رہی - پھر اس نے ایک اور کچّا سیب نکالا اور اسے یُوں کھانے لگی، جیسے وُہ بُہت مزے دار ہو -

" اب کہاں جائیں ؟ " دلاور نے پُوچھا -

" میں تمھیں اپنی تصویریں دکھاؤں گی " یہ کہہ کر رُوبی درخت سے نیچے اُترنے لگی " تم ابھی مت اُترو - جب میں آواز دُوں تب اُترنا "

نیچے جا کر اس نے کُتّے کو تھپکنا شروع کر دیا اور ساتھ ساتھ اِدھر اُدھر دیکھتی بھی رہی پھر کُتّے کی زنجیر پکڑ کر اُس نے دلاور کو آواز دی " آ جاؤ "

وُہ مُطمئن تھی - آس پاس کوئی نہ تھا -

دلاور نیچے اُتر آیا -

رُوبی نے کُتّے سے کہا : " دوست ، چمّی دوست " وُہ چمّی کو دلاور کے قریب لے گئی اور دلاور کا ہاتھ پکڑ کر کُتّے کے جسم پر پھیرنے

لگی -

"اِسے پیار کرو" اُس نے دلاور سے کہا -

وُہ دونوں کُتّے پر جُھکے ہوئے تھے کہ رُوبی اِک دم چوکنّی ہو گئی -

"کیا بات ہے ؟" دلاور نے پُوچھا -

"وُہ آ رہے ہیں" رُوبی نے جواب دیا -

لاری کی آواز اب دلاور نے بھی سُن لی تھی تھوڑی دیر بعد لاری فارم کے قریب پہنچ گئی

"تم تو کہتی تھیں کہ سب ٹھیک ہے -" دلاور نے کہا -

"گھبراؤ مت - وُہ تمھیں کچھ نہیں کہیں گے - پُوچھیں تو کہہ دینا کہ میں رُوبی کے ساتھ کھیلنے آیا تھا - یہ کہہ کر اُس نے زنجیر کُتّے کی گردن کے گرد لپیٹ کر فارم کی طرف اِشارہ کیا - کُتّا اس طرف بھاگ گیا -

وُہ لوگ لاری کو موڑ رہے تھے - مُحمّد خان دروازے میں کھڑا تھا اور جمال خاں لاری چلا رہا تھا -

"آؤ" رُوبی نے دلاور کا ہاتھ پکڑ کر کہا - وُہ

ایک دُوسرے کے بازُو میں بازُو ڈالے چلنے لگے -

"ذرا آہستہ چلو" وُہ بولی -

کُتّا لاری کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا تھا - کُتّے کو دیکھ کر مُحمّد خان نے اِدھر اُدھر دیکھا ، اور اُس کی نظر ان دونوں پر پڑ گئی -

"رُوبی" اُس نے زور سے چلّا کر کہا -

وُہ دونوں چلتے چلتے رُک گئے -

مُحمّد خان ہاتھ سے ان کی طرف اِشارہ کر رہا تھا -

"اب کیا کریں ؟" دلاور نے رُوبی سے پُوچھا -

مُحمّد خان لاری میں سوار ہو گیا اور کُتّے کو بھی لاری میں چڑھا لیا اور جمال خاں نے لاری ان دونوں کے قریب لا کر کھڑی کر دی پھر مُحمّد خان اور جمال خاں لاری سے باہر نکل آئے کُتّا بھی اُن کے پیچھے دُم ہلاتا ہوا باہر نکل آیا -

جمال خاں بُڑبُڑاتا ہُوا ان کی طرف بڑھا - غُصّے میں اس کے مُنہ سے جھاگ نکل رہے تھے اور یُوں لگتا تھا کہ وُہ ان دونوں کی

ہڈیاں توڑ دے گا۔ دلاور گھبرایا ہُوا تھا لیکن رُوبی کے چہرے پر خوف کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اُس نے اِتنا بھی نہ کیا کہ نظریں ہی جُھکا لیتی۔

جمال خاں دلاور سے بولا "تم کیا کرنے آئے ہو یہاں؟ دُوسرے کے گھر میں گھُستے ہُوئے شرم نہیں آتی؟"

"جمال خاں، اِتنا ہی کافی ہے۔" محمّد خان نے کہا۔ پھر اُس نے آگے بڑھ کر جمال خاں کو کندھے سے پکڑا اور اُسے پیچھے ہٹا دیا۔

"یہ لڑکا کون ہے؟ اور یہاں کیا کر رہا ہے؟" محمّد خان نے رُوبی سے پُوچھا۔

"میں نے تمھیں اجنبیوں سے ملنے سے منع کیا تھا۔" جمال خاں غُرّایا۔

"دلاور میرا دوست ہے۔ وُہ کوئی غیر تو نہیں۔" رُوبی نے بے خوفی سے کہا۔

دلاور نے محمّد خان کی طرف دیکھا اور بڑی نرمی سے بولا:

"جناب، مجھے افسوس ہے کہ میں اِدھر آ گیا

مجھے علم نہیں تھا کہ آپ چھُپ کر کچھ کر رہے ہیں۔"

"چھُپ کر؟" محمّد خان نے حیران ہو کر کہا۔ "تم آئے کہاں سے ہو؟"

"میں نے اِسے کل بھی باڑ کے پاس دیکھا تھا۔" جمال خاں بولا۔

"تم بکواس بند کرو۔" محمّد خان نے ناراض ہو کر کہا اور پھر دلاور سے بولا۔ "ہُوں۔ بولو۔"

"میں عزّت پُور میں رہتا ہُوں۔" دلاور نے کہا۔ "کیا میرا اور رُوبی کا یہاں کھیلنا آپ کو پسند نہیں؟"

محمّد خان چُپ رہا۔ وُہ دلاور کی بات کا جواب سوچ رہا تھا۔

"اگر آپ کوئی خُفیہ کام کر رہے تو میں نہیں آیا کرُوں گا۔" دلاور بولا۔

اِس سے پہلے کہ محمّد خان مُنہ کھولتا رُوبی بول اُٹھی۔ "اگر دلاور یہاں کھیلنے کے لیے نہیں آیا کرے گا تو میں ہر وقت روتی رہُوں گی۔"

جمال خاں ڈانٹ کر بولا: "ہٹ، رونے

کی بچی۔"

محمّد خان نے جمال خاں کی طرف دیکھ کر بس اِتنا کہا: "جمال!"

اُس کا لہجہ اتنا سخت تھا کہ جمال خاں کے مُنہ سے بات نہ نکل سکی اور وُہ ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔

"تُم دونوں کھیلا کرو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" محمّد خان نے مُسکرا کر کہا لیکن فوراً ہی اُس کا چہرہ بدل گیا اور آواز سخت ہو گئی۔ "لیکن کوئی شرارت نہ کرنا۔ سمجھے؟ ہم سے دُور دُور ہی رہنا۔"

لاری سٹارٹ ہُوئی، انجن گڑگڑایا اور وُہ چلے گئے۔ وُہ دونوں لاری کو جاتے ہُوئے دیکھتے رہے۔ پھر رُوبی بولی۔ "آؤ، میں تمھیں اپنی بنائی ہُوئی تصویریں دکھاؤں۔"

وُہ حویلی کے قریب پہنچے تو رُوبی نے دلاور کا ہاتھ مضبُوطی سے پکڑ لیا اور اندر چلی گئی۔ کُبڑی بڑھیا آستینیں چڑھائے ایک ٹوٹی ہُوئی کُرسی پر بیٹھی تھی۔ ایک ہاتھ میں اُس نے ذبح کی

ہُوئی مُرغی پکڑ رکھی تھی اور دُوسرے ہاتھ سے وُہ اس کے پر نوچ رہی تھی۔ اس کا سر آگے کو جُھکا ہُوا تھا اور وُہ اپنے کام میں محو تھی۔

رُوبی نے اصطبل کی طرف اِشارہ کیا، جو حویلی سے زیادہ دُور نہیں تھا اور اپنے لبوں پر اُنگلی رکھ کر دلاور کو چُپ رہنے کی تاکید کی۔ وُہ پنجوں کے بل چلتے ہُوئے بُڑھیا کی کُرسی سے ہٹ کر گزرنے لگے۔ دلاور بُڑھیا کے ہاتھوں کی حرکت دیکھ رہا تھا۔ وُہ بڑی پھُرتی سے پَر نوچ رہی تھی۔ یُوں لگتا تھا جیسے اُسے اس کام میں بڑا لُطف آ رہا ہے۔ وُہ دونوں کمرے کی دُوسری طرف سے اصطبل کی طرف نکلنے ہی والے تھے کہ عورت نے رُوبی کو دیکھا اور پُکارا: "رُوبی۔"

دونوں واپس آئے تو بڑھیا نے کہا: "میں نے تمھیں پَر نوچنے کے لیے نہیں کہا تھا؟"

"مجھ سے نہیں ہوتا یہ کام۔" رُوبی نے تنک کر جواب دیا۔

"آج رات دعوت ہے اور ابھی اِتنا کام

پڑا ہے۔ میں اکیلی کیسے کروں گی۔" بڑھیا چیخی
پھر اچانک اس کی نظر دلاور پر پڑی اور
وہ غصّے سے دیوانی ہو کر چیخی۔
"تیرا ستیاناس۔ بھول گئی، جمال خاں
نے اُس دِن کیا کہا تھا؟"
"محمّد خان نے مجھے اِس کے ساتھ کھیلنے کی
اِجازت دے دی ہے۔" رُوبی نے اِترا کر کہا
"یقین نہیں آتا تو اُس سے جا کر پُوچھ لو۔"
بڑھیا نے کہا۔" میں محمّد خان سے پُوچھ کر
آتی ہُوں۔" اور باہر چلی گئی۔
رُوبی بڑھیا کی کُرسی پر بیٹھ گئی۔ اُس نے
ایک مُرغی اُٹھا کر دلاور کو پکڑا دی اور دُوسری
خود اُٹھا کر اِس پھُرتی سے اس کے پَر
نوچنے شروع کیے کہ دلاور حیران رہ گیا۔ ابھی
ایک اور مُرغی ٹرے میں رکھی تھی۔
"دعوت میں کم از کم دس بارہ آدمی تو ضرور
ہوں گے۔" وُہ کام کرتے ہُوئے بولی۔
بڑھیا نے واپس آتے ہُوئے اُس کا فِقرہ سُن
لیا تھا۔" کبھی اُنھوں نے بتایا ہے کہ کتنے ہوں

گے؟"
"میں دلاور کو اپنی تصویریں دکھانے کے لیے
لائی ہوں۔" رُوبی نے کہا۔
بڑھیا کے ناراض ہو جانے کے ڈر سے دلاور
نے کہا۔" ہمیں پہلے ان کی مدد کرنی چاہیے۔
تصویریں بعد میں دیکھ لیں گے۔"
"دیکھو گے نا؟" رُوبی نے کہا۔
"ضرُور۔" دلاور نے وعدہ کیا۔
"پھر ٹھیک ہے۔" یہ کہہ کر اِس نے مُرغی
کو دوبارہ اُٹھا لیا اور اس کے پر بڑے اِطمینان
سے نوچنا شروع کر دیے۔ دلاور نے اُس کی
طرف دیکھا۔ اِس وقت وُہ ایک ایسی لڑکی نظر
آ رہی تھی جو بڑی فرمان بردار ہو، بڑی
سگھڑ ہو اور خانہ داری کے سارے کاموں میں
اپنی ماں کا ہاتھ بٹاتی ہو۔ اگر اِس وقت کسی
کو بتایا جاتا کہ یہ لڑکی بہت غصّیلی، بدتمیز
اور لڑاکا ہے تو وُہ ہرگز یقین نہ کرتا۔
دراصل یہ رُوبی کا قصُور نہ تھا۔ اس کے
ماں باپ مر گئے تھے اور اُس نے ایسے لوگوں

کے درمیان ہوش سنبھالا تھا۔ جنھیں شرافت چھُو کر بھی نہیں گئی تھی۔ یہ سب بُری باتیں اس نے اُنھیں لوگوں سے سیکھی تھیں اور اُس کی ساری حرکتیں، عادتیں اور باتیں اِن سے ملتی جُلتی تھیں۔

دلاور نے سوچا کاش یہ لڑکی پڑھ لکھ کر نیک عورت بن سکے۔ اس کو صرف اچھے ماحول اور اچھّی تربیت کی ضرورت تھی۔ وُہ بے حد ذہین تھی اور نئی باتیں بُہت جلد سیکھ سکتی تھی۔

اِتنے میں کِسی دُوسرے کمرے سے ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے کی آواز سُنائی دِی۔ عورت فوراً اُدھر چلی گئی۔ کوشش کے باوجود دلاور اس کی آواز نہ سُن سکا۔ اُس نے رُوبی سے پُوچھا کہ غُسل خانہ کِدھر ہے۔ رُوبی اُسے غُسل خانے کی طرف لے گئی۔ غُسل خانہ اِتّفاق سے اسی کمرے کے ساتھ تھا جس میں ٹیلی فون رکھا ہُوا تھا۔ عورت نے غُسل خانے کا دروازہ کُھلنے کی آواز سُنی تو فون پر کہا "ذرا ٹھہرو۔ وُہ غُسل خانے میں گیا ہے۔"

وُہ اس وقت تک خاموش رہی جب تک غُسل خانے میں جا کر دلاور نے دروازہ اندر سے بند نہ کر لیا۔ پھر اُس نے آہستہ سے دروازہ دوبارہ کھول لیا اور اب وہ عورت کی آواز صاف سُن رہا تھا۔

"ہاں، ہاں۔ میں سب ٹھیک کر لُوں گی..... سب سامان تیّار ہے۔ فِکر نہ کرو....."

دلاور کو یقین تھا کہ فون کی دُوسری طرف جو کوئی بھی تھا اُس نے عورت سے اُس کے بارے میں ضرور کُچھ کہا تھا۔ ہو سکتا ہے وُہ جمال خاں ہو یا محمّد خان۔ اُس نے دِکھاوے کے لیے زور سے دروازہ کھولا اور باہر نِکل آیا۔ حویلی کے کمرے بالکل خالی تھے۔ سجاوٹ کا نام نشان تک نہ تھا۔ نہ صُوفہ سیٹ نہ میزیں نہ کرسیاں اور نہ قالین۔ نہ دِیواروں پر تصویریں۔ کہیں کوئی کیلنڈر بھی نہیں لٹک رہا تھا — یہی حال باورچی خانے کا تھا۔ نہ جانے کِس زمانے کے برتن وہاں رکھے ہُوئے تھے۔

دلاور نے سوچا اِن برتنوں میں صِرف جانور

ہی کھا سکتے ہیں - پتا نہیں اِن کو کھانا کھانے کے بعد کبھی دھویا بھی گیا تھا یا نہیں - کھانے کا سامان ہر طرف بکھرا ہُوا تھا - آٹے کی بوری کے اُوپر چُوہے ناچ رہے تھے اور گھی کے کنستر میں مکھیاں گری ہُوئی تھیں - دیواروں سے چھپکلیاں چمٹی ہُوئی تھیں اور ہر طرف جالا لگا ہُوا تھا -

سارا سامان اِتنا تھوڑا سا تھا کہ اگر جلدی میں کہیں جانا پڑ جاتا تو منٹوں میں سمیٹا جا سکتا تھا - فرش جگہ جگہ سے اُکھڑا ہُوا تھا اور دیواروں کا زیادہ تر پلستر گر چکا تھا — برتن دھونے کی جگہ بھی اِنتہائی گندی تھی -

دلاور حویلی کا یہ حال دیکھ کر پریشان ہو گیا یہی حویلی جو چند ماہ پہلے جگمگاتی تھی - اب یُوں لگتی تھی گویا چند دِنوں کی مہمان ہو -

بُڑھیا اب تک فون پر باتیں کر رہی تھی رُوبی اپنے کام میں مصرُوف تھی - جب دلاور اُس کے پاس پہنچا تو اُس کو دیکھ کر وُہ اُٹھ بیٹھی - " چلو اب تصویریں دیکھو -"

دلاور کا خیال تھا وُہ مُرغی کو فرش پر پھینک کر ہاتھ اپنے کپڑوں سے صاف کر کے دوڑ لگا دے گی - لیکن وُہ اُٹھی ، مُرغی کو پلیٹ سے ڈھانپ کر جالی میں رکھ دیا تا کہ اس پر مکھیاں نہ بیٹھیں ، اِدھر اُدھر بکھرے ہُوئے پَر جھاڑو سے اکٹھے کر کے ٹوکری میں ڈالے اور پھر غُسل خانے میں ہاتھ دھونے کے لیے چلی گئی -

واپس آ کر اُس نے دلاور کو ساتھ آنے کا اِشارہ کیا اور اُوپر جانے کے لیے سیڑھیاں چڑھنے لگی اُوپر جا کر اُس نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا -

"یہاں میرے سوا کوئی نہیں آتا " وُہ بولی -

کمرے کی کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹے ہُوئے تھے اور گرد کی کم از کم ایک اِنچ موٹی تہہ ہر چیز پر جمی ہُوئی تھی - یُوں لگتا تھا جیسے اس کمرے کو صدیوں کے بعد کھولا گیا ہے -

ایک میز کی طرف اِشارہ کر کے رُوبی نے دلاور سے کہا " بیٹھ جاؤ "

" میں ایسے ہی ٹھیک ہُوں " دلاور نے خاک

دُھول کو دیکھ کر کہا۔

اِتنے میں رُوبی کہیں سے کاپی نکال لائی اور آہستہ آہستہ اس کے ورق پلٹنے لگی۔

"آج تک کوئی بھی میرے ساتھ یہاں نہیں آیا۔ کسی نے میری تصویریں نہیں دیکھیں۔"

دلاور اس کا جی بہلانے کے لیے غور سے تصویریں دیکھتا رہا تاکہ وُہ یہ سمجھے کہ وُہ اُنھیں پسند کر رہا ہے۔ وُہ جانتا تھا کہ صرف رُوبی کی وجہ سے وُہ یہاں تک پہنچ سکا تھا اگر وُہ ناراض ہو گئی تو وُہ کبھی جاگیر کے اندر داخل نہیں ہو سکے گا۔

رُوبی کی بنائی ہُوئی تصویریں بڑی بھدّی تھیں لکیروں میں کوئی سلیقہ تھا نہ رنگوں میں۔ یہ ضرُور تھا کہ وُہ جس چیز کی تصویر بناتی تھیں تصویر اس سے کچھ نہ کچھ ضرُور ملتی تھی۔ ایک تصویر کُبڑی عورت کی شکل سے ملتی جُلتی تھی دلاور نے جھُوٹ مُوٹ خُوش ہوتے ہُوئے کہا:

"واہ، بڑی اچھّی تصویر ہے۔ کاش یہ میں نے بنائی ہوتی۔"

اچانک نیچے سے رُوبی رُوبی کی آوازیں آنے لگیں۔ بُڑھیا اس کو بُلا رہی تھی۔ وُہ دونوں کھڑکی کے پاس جا کر نیچے جھانکنے لگے۔ عورت نیچے صحن میں کھڑی تھی۔ اس نے ہاتھ میں ایک مُرغی پکڑ رکھی تھی۔ جس کے کچھ پَر ابھی تک باقی تھے۔ رُوبی کو آوازیں دینے کے ساتھ ساتھ وُہ اِدھر اُدھر بھی دیکھتی جا رہی تھی۔

رُوبی نے دلاور کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کی اُنگلیاں بڑی سخت تھیں۔ پھر وُہ ہنسنے لگی۔

"وُہ تمھیں کس لیے بُلا رہی ہے؟" دلاور نے پُوچھا۔

رُوبی نے اس طرح سر ہلایا جیسے اُسے پتا نہیں۔ بڑھیا اُنھیں تلاش کرتی ہُوئی اُوپر آ گئی۔ وہ بڑبڑا رہی تھی "نہ جانے یہ دونوں کہاں چلے گئے ہیں۔ کچھ پتا نہیں کس وقت کیا کر بیٹھیں اور میری کم بختی آ جائے۔"

پہلے تو "رُوبی رُوبی" کہتی ہُوئی وُہ اُن کی طرف بڑھی اور پھر نہ جانے کیا سوچ کر تیزی سے واپس مُڑ گئی۔ اُنھوں نے کھڑکی میں

سے دیکھا کہ وہ فارم کی طرف بھاگی جا رہی ہے۔ وُہ اُسے دُور تک دوڑتا ہُوا دیکھتے رہے بھاگتی ہُوئی وُہ بڑی عجیب سی لگ رہی تھی۔

"وُہ کس بات پر ناراض ہے؟" مجھے تو پاگل سی لگتی ہے۔" دلاور نے کہا۔

"اس کا یہی کام ہے۔ آؤ باقی تصویریں بھی دیکھو۔" وُہ بولی۔

رُوبی ہر آدمی کا پُورا چہرہ بناتی تھی۔ یہ بات دلاور کے لیے فائدہ مند تھی۔ وُہ رُوبی بنائی ہُوئی تصویروں کے ذریعے اِن تمام لوگوں سے واقف ہو سکتا تھا جنھیں رُوبی نے دیکھا تھا اور جو جاگیر میں آتے رہتے تھے۔ ایک تصویر پر اُسے کیپٹن ایاز کا شُبہ ہُوا۔

"یہ کیا ہے؟" دلاور نے رُوبی سے ایک تصویر کے بارے میں پُوچھا۔

"لاری۔" وُہ بولی۔

یہ تصویر لاری سے بالکل نہیں ملتی تھی۔ یُوں نظر آتا تھا جیسے ڈھیروں سامان رکھا ہُوا ہے۔

"یہ تُم نے کب بنائی تھی؟" دلاور نے پُوچھا۔ "تمھیں پسند ہے؟"

"یہ اِتنی اچھی نہیں جتنی کُبڑی عورت کی تصویر۔ وُہ تو لاجواب ہے۔" دلاور نے کہا۔

رُوبی نے دلاور کو بے شُمار سکیچ دکھائے۔ لیکن اُن میں دلاور کے لیے کوئی خاص بات نہ تھی۔ وُہ ان پر اعتراض بھی کرتا رہا۔ پھر سکیچ ختم ہو گئے۔ دلاور نے آخری سکیچوں کی تعریف کی تاکہ رُوبی خُوش ہو جائے۔ اور وُہ سچ مچ خوش ہو گئی۔

کوئی چاہے کتنا ہی چالاک کیوں نہ بنتا ہو اپنی تعریف سُن کر خُوشی سے پھولا نہیں سماتا یہ انسانی کمزوری ہے۔ رُوبی بالکل پتا نہ چلا سکی کہ دلاور اس کی جھُوٹی تعریفیں کر رہا ہے اُسے اور خُوش کرنے کے لیے دلاور نے کہا:

"یہ سکیچ تو سب سے اچھا ہے۔ رُوبی، یہ تُم مجھے دے دو۔"

رُوبی کاپی پھاڑتے پھاڑتے رُک گئی۔ "یہ تو میرا شاہ کار ہے۔ نہ جانے پھر کبھی میں

اِتنا اچھّا سکیچ بنا بھی سکوں گی یا نہیں ۔"

"تم آئندہ اس سے اچھّے سکیچ بناؤ گی ۔ تم بڑی ہُنر مند ہو اور ایک دِن بہت بڑی آرٹسٹ بنو گی ۔" دلاور نے کہا ۔

"لیکن پتا نہیں یہ آدمی پھر کبھی آئے گا بھی یا نہیں جس کی یہ تصویر ہے ۔"

"ضرور آئے گا ۔ نہ آنے کی کوئی وجہ ہی نہیں ۔"

"وُہ لڑ کر گیا تھا ۔ اس کی مُحمّد خان سے لڑائی ہو گئی تھی ۔"

"اچھّا !"

"یہ سب بڑے لڑاکا ہیں ۔ ہر وقت لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں ۔"

"ذرا مجھے اس شاہ کار کو اچھّی طرح دیکھ تو لینے دو ۔" دلاور تصویر کو غور سے دیکھنے لگا "اِس کے بدلے تم مجھ سے کیا لو گی ۔۔؟"

"ایک روپیہ ۔"

"تمھیں پتا ہے روپیہ کیا ہوتا ہے ؟"

"روپے سے چیزیں خریدتے ہیں ۔ مٹھائیاں،

کھلونے ، کپڑے — اچھّی اچھّی چیزیں ....." وُہ بولی ۔

دلاور نے اپنی جیب دیکھی ۔ اُس کے پاس صرف ساٹھ پیسے تھے ۔ "اگر تم میری کوٹھڑی میں چلو تو میں اِس کے بدلے میں تمھیں کوئی اور چیز دے دُوں گا ۔"

"رہنے دو ۔ میں تم کو اس طرح کا ایک اور سکیچ بنا دُوں گی ۔ بالکل مُفت ۔" وُہ بولی ۔

"تم کوٹھڑی میں نہیں جانا چاہتیں ؟"

"ہاں ۔ میں وہاں نہیں جانا چاہتی ۔"

"صُبح تو تم کہہ رہی تھیں کہ ہم وہیں کھیلیں گے ؟"

"لیکن میرا اب جی نہیں چاہتا ۔"

دلاور نے اُس کے چہرے کا رنگ بدلتے ہُوئے دیکھا ۔ وُہ فوراً بات کی تہہ تک پہنچ گیا ۔ اس نے زور سے کہا ۔ "تم وہاں گئی تھیں ؟"

پہلے تو وُہ گھبرا گئی مگر پھر فوراً ہی سنبھل گئی : "اچھّا گئی تھی ۔ پھر کیا ہُوا ؟ تم مجھے اندر نہیں لے گئے تھے ۔ اِس لیے تمھارے

جانے کے بعد میں خود اندر چلی گئی۔"

"اور پھر تم نے کیا کیا چرایا؟"

"تمہارا کچھ نہیں چرایا۔ وہ سامان اب تمہارا نہیں۔ میں نے اپنی چیزیں لی ہیں۔ سمجھے؟" روبی غصّے میں آ گئی تھی۔

دلاور گم سم کھڑا رہا۔ اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔

"مجھے وہ سارا سامان نہیں چاہیے۔ اس میں سے کچھ میں تم کو واپس کر دوں گی۔ لیکن شرط یہ ہے کہ تم مجھے اس سامان کو استعمال کرنا سکھا دو جو میرے پاس رہے گا۔ یہ تو ٹھیک ہے نا؟" وہ بولی۔

"میرا خیال ہے تم مجھے اپنا دوست سمجھتی ہو۔"

"ہاں، تم میرے دوست ہو۔ اسی لیے تو میں یہ کہتی ہوں کہ تم مجھے اس سامان کا استعمال سکھا دو۔ دوست دوستوں کے کام آتے ہیں۔" روبی نے بڑی چالاکی سے جواب دیا۔

دلاور سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی لڑکی اتنی چھوٹی عمر میں اتنی ذہین ہو سکتی ہے۔

"اگر میں تم کو سامان دے بھی دوں تو وہ تم کو لے جانے نہیں دیں گے۔ تم کیا سوچ رہے ہو؟" روبی نے کہا۔

دلاور اپنے آپ کو تھکا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ اس کی ہمّت اس وقت بالکل جواب دے گئی تھی۔ اب وہ روبی کے ساتھ وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا اسے معلوم ہو چکا تھا کہ وہ بڑی خود غرض اور مطلبی لڑکی ہے۔

"آؤ چلیں۔" دلاور نے کہا۔

وہ خاموشی سے سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گئے۔ دلاور جانے لگا تو روبی نے پوچھا: "تم کہاں جا رہے ہو؟"

"گھر جا رہا ہوں۔"

"اب کب آؤ گے؟"

"کل۔"

"کس وقت؟"

"جس وقت روز آتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ چلا گیا اور روبی اُسے دیکھتی رہ گئی۔

لڑائی

دلاور کسی ایسی جگہ کی تلاش میں تھا۔ جہاں سے وُہ چھُپ کر فارم کو دیکھ سکے۔ اچانک اُسے ایسا محسُوس ہُوا جیسے کسی نے اُس کی پنڈلی مُنہ میں دبا لی ہے۔ اس نے فوراً پیچھے مُڑ کر دیکھا۔ پہلے تو وُہ ڈر گیا لیکن بھالو کو دیکھ کر اس کا ڈر فوراً دُور ہو گیا۔

"بھالُو۔ بھالُو۔" دلاور نے کہا اور نیچے جُھک کر کُتّے کو تھپتھپانے لگا۔ کُتّا خاموشی سے دُم ہلاتا رہا۔ دلاور بھالُو کو چھوڑ کر جھاڑیوں میں گھُس گیا۔ کیوں کہ دُور سے موٹی کی آواز آ رہی تھی۔

دلاور اِس فکر میں تھا کہ اُسے مُحمّد خان اور جمال خاں کی ٹوہ لینی چاہیے کہ وُہ کیا کرتے

رہتے ہیں۔ اگر اُسے اس بات کا پتا چل جائے تو وُہ پھر پولیس کو اِطّلاع دے سکتا ہے۔ باقی باتیں پولیس والے خود معلُوم کر لیں گے۔

فی الحال دلاور نے گھر جانا مُناسب سمجھا۔

راستے میں اُسے توفیق نظر آیا۔ اُس نے سر پہ گیلا تولیہ لپیٹ رکھا تھا۔ دلاور نے سیٹی بجائی۔ سیٹی کی آواز سُن کر توفیق چاروں طرف دیکھنے لگا۔ دلاور نے ہاتھ ہلایا۔ جسے توفیق نے دیکھ لیا اور رُک گیا۔ دلاور لپک کر توفیق کے پاس پہنچا۔ توفیق ایک درخت کے تنے پہ بیٹھ کر گھاس کی پتّی چبانے لگا۔

"تُم کہاں تھے؟ ہم تمُھارا اِنتظار کر کر کے مر گئے۔" توفیق نے گِلہ کیا۔

"تائی مریم مجھے نکلنے ہی نہیں دیتیں۔ وُہ تو بس یہ چاہتی ہیں کہ میں ہر وقت ان کی قید میں پڑا رہُوں۔ ذرا باہر نکلنے لگوں تو ابّا امّی سے پٹوانے کی دھمکی دیتی ہیں۔ میں کیا کرُوں؟" دِلاور نے بہانا کیا۔

وُہ بھولا بن کر توفیق سے جھوٹ بولتا رہا لیکن دِل ہی دِل میں وُہ بُہت خوش تھا۔ مُحمّد خان کے بارے میں جتنی معلُومات وُہ حاصِل کر چُکا تھا ان کا اس کے سوا کِسی کو عِلم نہ تھا۔

توفیق نے غور سے دلاور کو دیکھا۔ وُہ نظروں ہی نظروں میں اُس کی طاقت کا اندازہ لگا رہا تھا۔ دلاور اُس کی نظروں کا مطلب نہ سمجھ سکا۔

"اچھّا خیر، یہ تمُھاری پُرانی عادت ہے کہ سب کام تم خود کرنا چاہتے ہو۔ کِسی کو اپنے دِل کا بھید نہیں بتاتے۔"

"میں نے تُم سے کون سی بات چھُپائی ہے تمُھیں معلُوم ہے کہ یہ سمگلروں کا بُہت بڑا گروہ ہے۔ اگر ہم نے اُنھیں پکڑوا دیا تو شہر میں ہماری واہ واہ ہو جائے گی اور ہمیں اِنعام بھی ملے گا۔"

"تو اب تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"میں جاگیر کے اندر جا کر اُن کی ٹوہ لُوں

گا۔ تُم وہاں نہیں جا سکتے۔ وُہ لڑکی جِس کے پلّے کو تُم نے زہر دیا تھا۔ میری دوست بن گئی ہے۔"

"زہر..... میں نے.....؟" توفیق نے دلاور کی بات کاٹ کر کہا۔

"کیا تُم نے رُوبی کے پلّے کو زہر نہیں دیا تھا؟" دلاور نے اپنی نظریں توفیق کے چہرے پر گاڑ دیں۔

"مم..... میں..... نے.....؟"

"چلو جانے دو۔ جو ہُوا سو ہُوا۔" دلاور نے نرمی سے کہا۔

"تم اس لڑکی کے پلّے کے لیے اِتنے پریشان کیوں ہو؟" توفیق نے کہا۔ وُہ دلاور کا عزیز ترین دوست تھا اور رُوبی اور دلاور کی دوستی کے بارے میں سُن کر جل گیا تھا۔

دلاور کا دھیان دُوسری طرف تھا۔ توفیق نے تولیہ دلاور کی آنکھوں پر دے مارا اور خود اُچھل کر اُس پر آ رہا۔ دلاور کو کچھ نظر نہ آیا اور وُہ دھکّا لگنے سے گر گیا۔ توفیق نے

اُس کا بازُو مڑوڑتے ہُوئے کہا :

"ہم نے تمھیں اپنی پارٹی سے نکال دیا ہے۔ تُم ہماری بات نہیں مانتے اور ہم تُم پر تھُوکتے بھی نہیں "

دلاور نے توفیق کے چہرے کو دیکھا - نفرت سے اس کا چہرہ سیاہ پڑ چکا تھا - دلاور نے اس کو نیچے گرا لیا اور اس کا بازُو مڑوڑ کر کہا :

"تمھیں ایک بے زبان کو مارتے شرم نہیں آئی ؟"

توفیق چُپ رہا -

دلاور نے توفیق کے بازُو کو ایک زور دار جھٹکا دیا -

"مجھے افسوس ہے " توفیق بولا -

"اُونچی آواز سے کہو کہ میں بُہت بُرا لڑکا ہُوں " دلاور نے حُکم دیا -

توفیق کچھ نہ بولا -

دلاور نے اس کے بازُو کو پھر جھٹکا دیا -

"میں بُہت بُرا لڑکا ہُوں " توفیق کو مجبُوراً

کہنا پڑا -

دلاور اُسے چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہُوا - وُہ لڑائی جیت چُکا تھا لیکن اپنے ایک عزیز دوست کو گنوا بیٹھا تھا - اس نے توفیق کی طرف دیکھا - وُہ اُس سے کہنا چاہتا تھا کہ مجھے معاف کر دو لیکن الفاظ اُس کے مُنہ سے نکل نہ سکے وُہ جلدی سے مُڑا اور گھر کی طرف بھاگنے لگا -

جب وُہ گھر پہنچا تو بھُوک نے اُس کو نڈھال کر رکھا تھا - کپڑے گندے ہو چُکے تھے اور سارے جسم پر خراشیں لگی ہُوئی تھیں وُہ چُھپ کر غسل خانے میں جا سکتا تھا لیکن وُہ چاہتا تھا کہ تائی مریم اس کو دیکھ لے - اس میں بھی ایک چال تھی - اس کو اس حالت میں دیکھ کر تائی کو ضرور اس پر رحم آ جائے گا -

وُہ بڑے دروازے سے اندر گیا اور سیدھا باورچی خانے میں تائی کے پاس پہنچا : " تائی جی ، میں آ گیا ہُوں - ذرا نہا آؤں "

" اچھا میرے لال ، میں اتنی دیر میں تمھارے

لیے کھانا لگاتی ہوں۔"

دلاور کی چال کام یاب رہی۔ تائی اس کا حلیہ دیکھ کر ناراض نہیں ہوئیں۔ وہ غسل خانے میں گھس گیا اور کافی دیر تک مزے لے لے کر نہاتا رہا۔ پھر اُس نے لباس پہنا بالوں میں کنگھی کی اور پندرہ منٹ میں اِس طرح بن ٹھن کر تیار ہو گیا جیسے کسی دعوت میں شرکت کرنے کے لیے جا رہا ہو۔ تائی مریم سری پائے پکا رہی تھیں۔

"تم تو مجھ سے کہہ کر گئے تھے کہ تالاب پر نہانے جا رہا ہوں۔" تائی نے کہا۔

دلاور کھانا کھاتا رہا۔

"تم تالاب پر کیوں نہیں گئے؟"

دلاور نے لقمہ توڑتے ہوئے کہا: "آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں تالاب پر نہیں گیا؟"

"تمھاری صورت دیکھ کر۔"

"ٹھیک ہے۔ میں جاگیر کی طرف چلا گیا تھا۔"

"جھوٹ۔ اُس نے تو ہر طرف کتے چھوڑ رکھے ہیں۔ تم وہاں کیسے جا سکتے ہو؟" وہ

ہانڈی میں ڈوئی بھی چلاتی جا رہی تھیں اور باتیں بھی کرتی جاتی تھیں۔

"اب میرے لیے وہاں جانا بہت آسان ہے۔ وہاں ایک لڑکی ہے زوبی۔ وہ مجھ سے چھوٹی ہے لیکن میری دوست بن گئی ہے۔ اس کے ہوتے کتے مجھے کچھ نہیں کہتے باڑ بھی ساری جاگیر کے گرد نہیں لگائی گئی ہے۔ جدھر زیادہ آمدورفت ہے، صرف اُدھر لگائی گئی ہے۔"

"یہ قصہ رات کو مجھے سُنانا۔" تائی مریم نے کہا اور چولھے میں لکڑیاں لگانے لگیں۔

دلاور کو تو خیال بھی نہیں تھا کہ تائی مریم اس آسانی سے خوش ہو جائیں گی۔ وہ تو اس خیال سے ڈر رہا تھا کہ اُس کے گندے کپڑے دیکھ کر وہ بھڑک اُٹھیں گی لیکن اُنھوں نے اس کو ڈانٹا تک نہیں، نہ ابا امی سے شکایت کرنے کی دھمکی دی۔

"پھر تو لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ وہ کسی کو وہاں نہیں آنے دیتے۔" تائی نے کہا۔

"نہیں - یہ بات نہیں - میں زُوبی کا دوست ہُوں اس لیے مجھے وہاں جانے کی اجازت مل گئی ہے۔ اور کسی کو وہاں جانے کی اِجازت نہیں - میں لڑکا ہُوں اور لڑکے ان کے خیال میں بے ضرر ہوتے ہیں" دلاور نے جواب دیا۔

"تم نے اُنھیں دیکھا بھی یا نہیں؟ میری مُراد محمّد خان اور اُس کے ساتھیوں سے ہے۔ اُنھوں نے تم سے کچھ نہیں کہا؟" تائی نے دریافت کیا۔

"اُنھوں نے کہا تھا کہ میں اُن سے دُور ہی رہا کروں - وُہ بڑے شکّی ہیں - فارم میں نہ جانے کیا کرتے رہتے ہیں - وُہ لاری سے کوئی چیز اُتار کر وہاں چھُپا رہے تھے"

"پولیس والے ایسے ہی لوگوں کی تلاش میں رہتے ہیں - یہ لوگ ایک نہ ایک دن پولیس کے قبضے میں آ جائیں گے"

"میں جلد ہی اُن کے خلاف پکّا ثبوت مہیّا کر لُوں گا - اب وُہ وقت نزدیک ہے - میں اپنی آنکھوں سے ان کو فارم میں کام کرتے

ہُوئے دیکھنا چاہتا ہُوں - پھر میں پولیس کو اِطّلاع دے دُوں گا"

"نہیں نہیں - ایسا ہرگز نہ کرنا" تائی نے ڈر کر کہا - وُہ اب تک اِطمینان سے باتیں کرتی رہی تھیں لیکن اچانک اُن کو خطرے کا اِحساس ہو گیا -

"کیوں؟ آج وہاں دعوت ہے - بُہت سے لوگ آئیں گے - میں چُپکے سے وہاں پہنچ جاؤں گا" دلاور نے جوش میں آ کر سب کچھ تائی کو بتا دیا -

"مجھے خواہ مخواہ غُصّہ نہ دِلاؤ - بڑے جاسوس بنے پھرتے ہو - خبردار جو اب گھر سے قدم بھی باہر نکالا - بدمعاشوں کے مُنہ نہیں لگنا چاہیے - اِن سے بڑے بڑے لوگ ڈرتے ہیں - اور تم پلّے ہو ان کو پکڑنے ——— عقل سے کام لو" تائی نے کہا -

دلاور کو اپنی بے وقوفی پر غصّہ آنے لگا - اس نے سوچا کہ میں نے خواہ مخواہ یہ باتیں تائی کو بتا دیں -

"وُہ اِتنے احمق نہیں کہ وہاں پہرے دار نہ کھڑے کریں" تائی سوچ کر بولیں۔

"ان کے پہرے دار کُتّے ہوں گے اور اُن کُتّوں سے رُدبی نے میری دوستی کروا دی ہے وُہ مجھے دیکھ کر بھونکیں گے نہیں"

"ہو سکتا ہے وہ وہاں کسی چوکیدار کو بھی کھڑا کر دیں" تائی نے کہا۔ پھر وُہ ایک دم بھڑک کر بولیں "میں تم کو اِس کام کی اِجازت نہیں دے سکتی۔ وہاں ہرگز نہ جانا۔"

"ٹھیک ہے" دلاور نے مُنہ لٹکا کر کہا۔ "تمھارے ماں باپ آتے ہی والے ہُوں گے۔ وُہ آ جائیں تو یہ کہانیاں اُن کو سُنانا۔ اس وقت تک اِنتظار کرو"

"بُہت اچھّا" دلاور نے کہا۔ حالاں کہ وُہ اپنے دل میں کچھ اور ہی ٹھانے ہُوا تھا۔ وُہ جانتا تھا کہ اُس کے ماں باپ یہ باتیں سُن کر مارے نصیحتوں کے اس کو پاگل کر دیں گے اور اُسے خُوب ڈانٹیں ڈپٹیں گے۔

ابھی خاصی روشنی تھی۔ دلاور رات ہونے سے پہلے جاگیر کی طرف روانہ نہیں ہونا چاہتا تھا۔ وُہ آرام کرنے کے لیے بستر پر لیٹ گیا۔ وُہ چاہتا تھا کہ فوراً سُورج ڈوب جائے اور وُہ اپنی مُہم پر روانہ ہو جائے۔

کچھ دیر بعد وُہ بستر سے اُٹھ کر سامان تیّار کرنے لگا جو رات کو ساتھ لے کر جانا تھا۔ اس نے ایک ٹارچ نکالی، کپڑوں کی الماری میں سے بند گلے کا سوئٹر نکالا کہ رات کو سردی سے محفوظ رہے، کینوس کے جُوتے لیے تا کہ اس کے چلنے کی آواز سُنائی نہ دے، اپنے بچاؤ کے لیے وُہ بڑا سا شکاری چاقو لیا جو اُس کے تایا نے اُسے تحفے میں دیا تھا اور چہرہ کالا کرنے کے لیے جُوتوں کے پالش کی ڈبیا بھی لے لی۔ یہ ساری چیزیں اس نے ایک جگہ رکھ کر ان پر تولیہ ڈال دیا تا کہ تائی نہ دیکھ سکیں اس کام سے فارغ ہونے کے بعد وُہ کھڑکی کھول کر باہر دیکھنے لگا۔ سُورج دُور اُفق

میں ڈوب رہا تھا اور شام کا اندھیرا آہستہ آہستہ چھا رہا تھا۔

تائی مریم کو دھوکا دینے کے لیے دلاور نے شب خوابی کا لباس پہن لیا اور بستر میں گھس گیا۔ نہ جانے وہ کتنی دیر اسی طرح لیٹا رہا۔ جب کافی دیر کے بعد تائی مریم نے اس کے کمرے میں جھانکا تو وہ آنکھیں موندے لیٹا ہوا تھا۔ تائی مریم اُسے آرام کرتا دیکھ کر کمرے کا دروازہ بند کر کے چلی گئیں۔

دلاور کو انھیں اس طرح دھوکا دینے پر بڑی شرم آئی لیکن اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ اب رات ہو چکی تھی اور تائی مریم دروازے بند کرتی پھر رہی تھیں۔ ان کو اب دلاور پر اعتبار نہیں تھا۔ اس لیے وہ کوئی کھڑکی یا دروازہ کھلا نہیں رکھنا چاہتی تھیں۔

جب دلاور کو یقین ہو گیا کہ اب تائی بستر پر لیٹ چکی ہوں گی تو اُس نے اپنے کمرے کی کھڑکی کھولی اور نیچے کود گیا۔ اُس

نے شب خوابی کا لباس اُتار کر دوسرے کپڑے پہنے اور پھر کینوس کے جوتے پہن کر بلّی کی طرح بے آواز چلتا ہوا باہر نکل گیا۔

بادلوں نے چاند اور ستاروں کو چھپا رکھا تھا اور ہر طرف گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔

خطرناک مُہم

جب وُہ بڑی سڑک پر آیا تو اچانک دو کاریں مخالف سمتوں سے آ گئیں۔ بڑی سڑک بھی اِتنی چوڑی نہیں تھی کہ دونوں کاریں ایک ساتھ ایک دُوسری کو کراس کر جاتیں۔ دونوں گاڑیوں کے ڈرائیوروں نے اپنی اپنی گاڑیاں کچّے میں اُتار لیں۔ کاروں میں بیٹھے ہُوئے لوگ ایک دُوسرے کے واقف تھے۔ اُنھوں نے ہاتھ ہِلا ہِلا کر سلام کیا اور پھر آگے بڑھ گئے۔

دلاور نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وُہ صُبح جس راستے سے گھر واپس گیا تھا اب اُس راستے کو اِستعمال نہیں کرے گا۔ کیوں کہ اِس پر کِسی نہ کِسی کے مِل جانے کا اندیشہ تھا۔ اِس

نے وُہ راستہ چُنا جو بہت کم اِستعمال ہوتا تھا۔ یہ راستہ دُوسرے راستوں کی نسبت لمبا تھا مگر جب وُہ بڑی سڑک سے اِس راستے پر آیا تو اُسے یہ احساس ہُوا کہ اُس نے بڑی بھاری غلطی کی ہے۔ اِس راستے پر جھاڑیاں اُگ آئی تھیں جن میں سے ہو کر گزرنا بہت دُشوار تھا۔ کہیں کہیں گڑھے بھی تھے جو نظر نہ آتے تھے۔ ان گڑھوں کو گِری ہُوئی ٹہنیوں اور پتّوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔

وُہ کئی بار ان گڑھوں میں گرا اور پھر دونوں ہاتھ اُن کے کناروں پر رکھ کر زور سے اُچھل کر باہر نِکلا۔ اُس کے انگوٹھے میں کوئی چیز چُبھ گئی تھی۔ جسے وہ دیکھ نہ سکا۔ یہ کوئی کانٹا ہو گا۔ ایک دفعہ وُہ گڑھے سے اُچھل کر باہر نِکلا تو کِسی جھاڑی کی سُوکھی ٹہنی اس کی دائیں آنکھ سے آدھ انچ اُوپر ٹکرا گئی۔ اگر یہ ٹہنی ذرا نیچے ہوتی تو اس کی آنکھ پھُوٹ جاتی۔

تھوڑی دیر بعد ایک کار کی روشنی گھنی

جھاڑیوں میں اندھیرے اُجالے کا جال بناتی ہُوئی گزری اور کار کے گزر جانے کے بعد اندھیرا اور گہرا لگنے لگا۔ آنکھ کے اُوپر لگنے والی چوٹ نے دلاور کو بدحواس کر دیا تھا اور وُہ درد کے مارے اسی طرح پڑا ہُوا تھا۔ پھر اُس کے انگوٹھے میں ٹیسیں اُٹھنے لگیں۔ اُس نے پہلی بار دُوسرے ہاتھ سے انگوٹھے کو چھُوا۔ ایک موٹا سا کانٹا تقریباً آدھ انچ انگوٹھے کے گوشت میں اُترا ہُوا تھا۔ جُونہی اس نے کانٹے کو کھینچ کر باہر نکالا انگوٹھے میں سے خُون بہنا شروع ہو گیا۔

اس نے انگوٹھے کو دیکھنے کے لیے ٹارچ جلائی اسی وقت کوئی چیز ٹھوڑی پر بہتی ہُوئی محسوس ہُوئی۔ یہ خون تھا جو آنکھ کے زخم سے نکل کر اس کے گالوں پر سے ہوتا ہُوا ٹھوڑی کی طرف آ رہا تھا۔

وُہ ابھی تک بڑی سڑک سے تقریباً سو گز دُور آیا تھا۔ اُس نے اُٹھ کر ٹارچ کو بُجھا دیا اور ایک گرے ہُوئے درخت کے تنے پر بیٹھ گیا۔ وُہ اتنا تھک چُکا تھا کہ جی چاہ رہا تھا

کہ تھوڑی دیر کے لیے وہیں سو جائے۔ مگر اُسے یہ اندیشہ تھا اگر سو گیا تو صُبح سے پہلے نہیں اُٹھ سکے گا۔ آج کی رات بہت اہم تھی اور اُسے آج ہی محمّد خان کا راز معلوم کرنا تھا۔ اس خیال نے اس کے دِل کو گرما دیا۔ نیند اس کی آنکھوں سے اُڑ گئی۔ نہ جانے کہاں سے اُس میں اِتنی ہمّت آ گئی کہ وُہ اپنے زخموں کو بھُول گیا اور آناً فاناً تازہ دم ہو کر دوبارہ چلنا شروع کر دیا۔

اُس کو کبھی کبھی کسی خرگوش، گیدڑ یا لومڑی کی آواز سُنائی دے جاتی تو وُہ تھوڑی دیر کے لیے چوکنّا ہو جاتا۔ کُتّوں کے بھونکنے کی آواز تو مسلسل آ رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد وُہ جنگل میں داخل ہو گیا۔ یہاں راستہ اور بھی دُشوار گزار تھا لیکن اُس نے حوصلہ نہ ہارا اور جلد ہی جاگیر کے قریب اس جگہ جا نکلا جہاں تاروں کی باڑ نہیں تھی۔

اُسی وقت چاند بادلوں میں چھُپ گیا اور ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ اُسے یہ اندازہ نہیں

تھا کہ وُہ جاگیر کی کس طرف آ نکلا ہے۔ اُسے ایک ایک درخت اور راستے کو بغور دیکھنا پڑتا اور اس کام کے لیے اُسے ٹارچ جلانی پڑتی۔

اب اس نے جیب میں سے پالش کی ڈبیا نکالی اور چہرہ کالا کرنے لگا۔ دو کُتّے تو اس کے دوست بن چکے تھے لیکن باقی کُتّوں کے بارے میں وُہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ جو دو کُتّے اس کے دوست بن چکے تھے اُن کے بارے میں بھی اُسے یہ اندیشہ تھا کہ وُہ اندھیرے میں اُس پر حملہ نہ کر دیں۔ جب تک وہ اس کی بُو سُونگھ کر اس کو پہچانیں گے اس وقت تک وُہ زخمی ہو چُکا ہو گا۔

پھر دلاور کو تائی مریم کی بات یاد آئی۔ اُنھوں نے کہا تھا کہ مُحمّد خان نے کُتّوں کے علاوہ کسی آدمی کو بھی پہرے پر کھڑا کیا ہو گا۔ یہ تمام خدشے دلاور کو ڈراتے رہے لیکن وُہ آگے ہی آگے بڑھتا گیا۔

اچانک ایک درخت پر کسی پرندے نے گانا شرُوع کر دیا۔ اُس کے نغمے کا رس

رات کی سیاہی میں گھُلتا جا رہا تھا۔ پھر ایک طیّارے کا ہلکا ہلکا شور سُنائی دینے لگا، جو آہستہ آہستہ بڑھتا گیا۔ پرندے کا نغمہ اس شور میں ڈُوب گیا۔ جب طیّارہ دلاور کے سر کے اُوپر سے گزر گیا تو اس کا شور کم ہونا شروع ہو گیا اور پرندے کی آواز دوبارہ آنے لگی۔

دلاور ایک بہادر سپاہی کی طرح آگے ہی آگے بڑھتا گیا ـــــ ایک جگہ پہنچ کر اُسے یاد آیا کہ یہاں کبھی ایک راستہ تھا جس پر سے گاڑیاں گزرا کرتی تھیں۔ اُس نے زمین پر پڑے ہُوئے سُوکھے پتّے ہٹا کر ٹائروں کے نشان تلاش کرنے شرُوع کر دیے۔ آخر اُسے وُہ راستہ مل ہی گیا۔ اس نے راستے کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنا شرُوع کر دیا۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے وہ زمین پر جُھک کر ٹائروں کے نشان دیکھ لیتا۔ جب وُہ ان نشانوں کو دیکھ لیتا تو اُسے یقین آ جاتا کہ وُہ صحیح راستے پر جا رہا ہے۔ اس راستے پر موٹروں لاریوں اور ٹرکوں کی وجہ سے دو نالیاں سی

بن گئی تھیں جو چھ سات انچ گہری تھیں۔ موٹروں وغیرہ کے پہیے ہمیشہ انہی نالیوں میں دوڑتے تھے۔ اس طرح ہولے ہولے وہ راستے کے آخر تک پہنچ گیا۔ یہاں چھپنے کے لیے کوئی جگہ نہ تھی۔ اس لیے وہ منہ کے بل زمین پر لیٹ گیا اور غور سے ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

چاند بادلوں سے باہر آ گیا تھا اور سارے میں روشنی پھیل گئی تھی۔ اُس نے دیکھا کہ وہاں دو راستے تھے اور دونوں جاگیر کے اندر جا رہے تھے۔ ہر راستہ تقریباً پانچ فٹ چوڑا تھا۔ وہ ایک راستے پر ہو لیا۔ وہ راستے پر پہلے سے بنے ہوئے قدموں کے نشانوں پر قدم رکھ کر چل رہا تھا تاکہ کوئی اُس کے قدموں سے اُس کا سُراغ نہ لگا سکے۔

جب بادلوں نے ایک دفعہ پھر چاند کو چھپا لیا تو اندھیرے کی وجہ سے دلاور کی رفتار بالکل سُست پڑ گئی۔ لیکن آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں اندھیرے کی عادی ہو گئیں اور

اُسے پھر دکھائی دینے لگا۔

اُس نے لمبے لمبے سانس لیے تو آکسیجن نے اُس کو تازہ دم کر دیا۔ پھر اچانک اُسے احساس ہُوا کہ وہ خطرے کے قریب پہنچ چکا ہے لیکن اُس کو یہ پتا نہ چل سکا کہ یہ خطرہ کہاں ہے؟

وہ بُت بنا کھڑا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اب کیا کرے!

پھندا

اچانک اُسے کسی کے باتیں کرنے کی آواز آئی ۔ یہ آوازیں سامنے سے آ رہی تھیں۔ اس نے آوازوں کو پہچاننے کی کوشش کی ۔ مگر آوازیں اتنی مدّھم تھیں کہ وُہ کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا ۔ تھوڑی دیر بعد آوازیں اندھیرے میں گم ہو گئیں ۔

بادل چھٹتے جا رہے تھے ۔ چاند کسی لمحے بھی بادلوں کے پردے سے باہر آ سکتا تھا ۔ دلاور نے سر اُٹھا کر دُور تک دیکھا ۔ درختوں نے اُس کے سامنے کالا کپڑا سا تان رکھا تھا جس میں سے فوری طور پر کچھ بھی نظر نہیں آ سکتا تھا ۔

جب چاند گہرے بادلوں سے باہر نکلا تو

دلاور کو فارم کی عمارت کی پُراسرار سی جھلک دِکھائی دی ۔ یہ عمارت کسی دیو کا مقبرہ لگ رہی تھی ۔ پھر اُسے دو آنکھیں نظر آئیں جو ہیروں کی طرح چمک رہی تھیں ۔ پھر اُس نے کُتّوں کی زنجیر کی جھنکار سُنی ۔

کُتّے اور دلاور کے درمیان مُشکل سے دس گز کا فاصلہ ہو گا ۔ اگر اس کے پیچھے سے ہَوا کا ایک ہلکا سا جھونکا بھی آ جاتا تو اس کی بُو فوراً کُتّے تک پہنچ سکتی تھی ۔

اس نے سوچا کہ یہاں کوئی خاص بات ضرُور ہے ۔ جبھی تو کُتّے کو پہرے پر کھڑا کیا گیا ہے ۔ پھر اس کو خیال آیا کہ اگر اس نے اُس خاص بات کا پتا بھی چلا لیا اور لوگوں کو جا کر بتا بھی دیا تو سکول میں پڑھنے والے آٹھویں جماعت کے طالبِ علم کی باتوں کا یقین کون کرے گا ۔

چاند کی چاندنی میں دلاور نے دیکھا کہ وُہ فارم سے بیس گز دُور ہے ۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ فارم کے دروازے کو کسی چیز سے

چھپانے کی کوشش کی گئی ہے ۔ یہ ویسا ہی جال تھا جیسا جنگ کے دِنوں میں فوجی ٹرکوں کو چھپانے کے لیے ان پر ڈالا جاتا ہے تاکہ دُشمن دھوکا کھا جائے ۔

کتّا فارم کے سامنے ایک چبوترے پر بندھا ہُوا تھا اور اس کا رُخ دلاور کی طرف نہیں تھا ۔

اِتنے فاصلے سے دلاور یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ یہ کُتّا اس کا دوست ہے یا نہیں اس نے ٹارچ نکالی ۔" اگر یہ دوست کُتّا ہُوا تو پھر مزہ آ جائے گا ۔" اس نے سوچا" پھر میں فارم کے دروازے کے پاس جا کر ہر چیز کو اچھّی طرح دیکھ سکوں گا ۔"

وُہ سخت مُشکل میں تھا ۔ زمین کی نمی نے اُس کے کپڑے تر کر دِیے تھے ۔ اچانک اُس نے اپنی ناک میں خارش محسُوس کی ۔ اس نے نتھنوں کو ہاتھ سے بند کر لیا لیکن چھینک آ کر ہی رہی ۔ پہلی چھینک کی آواز مدّھم تھی لیکن دُوسری بار جب وُہ زور سے چھینکا

تو کُتّا غُرّا کر جال کی طرف بڑھا ۔ زنجیر چھوٹی تھی اِس لیے وُہ جال تک نہ پہنچ سکا ۔

دلاور فوراً کھڑا ہو گیا اس نے بھالو اور جمّی کا نام لے لے کر پُکارا ۔ آواز سُن کر کُتّے نے اس کی طرف جست لگائی ۔ دلاور نے ٹارچ روشن کی ۔ یہ کوئی اور ہی کتّا تھا اس کُتّے کو دیکھ کر دلاور کے ہوش اُڑ گئے ۔ اور اس نے پُکارنا شرُوع کر دیا " بچاؤ بچاؤ" اور پھر وُہ بھاگ نکلا لیکن اس کا پاؤں ایک گڑھے میں جا پڑا اور اس میں موچ آ گئی ۔

دلاور یہ بھُول گیا تھا کہ کُتّا زنجیر سے بندھا ہُوا ہے ۔ وہ دلاور پر ٹُوٹ پڑنے کے لیے زور لگا رہا تھا لیکن زنجیر کی وجہ سے مجبُور تھا ۔ آخر اُس نے زنجیر توڑ ہی ڈالی لیکن جُونہی وُہ آگے بڑھا اس کی ایک پچھلی ٹانگ ایک لوہے کے پھندے میں پھنس گئی پھندے کے تیز دندانے اُس کی ٹانگ کے گوشت کو چیر کر ہڈّی میں اُتر چُکے تھے ۔

یہ منظر دیکھ کر دلاور کی رُوح فنا ہو گئی

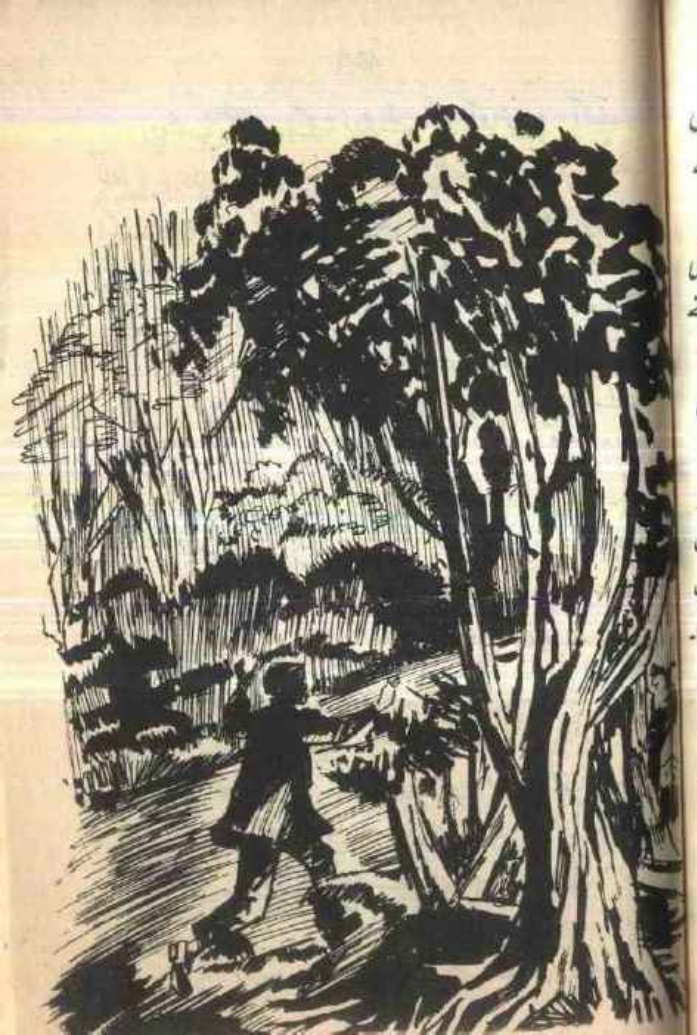

اُس نے خُدا کا شُکر ادا کیا کہ وُہ آگے نہیں گیا - ورنہ کُتّے کے بجائے اس وقت پھندے میں اس کی ٹانگ پھنسی ہُوئی ہوتی -

کُتّا دلاور پر حملہ کرنے کے لیے اُچھلنے کی کوشش کر رہا تھا اور بھونک بھونک کر اپنے مالکوں کو خبردار کر رہا تھا -

دلاور نے کھڑا ہونے کی کوشش کی لیکن اس کا بایاں ٹخنا اس کے جسم کا بوجھ نہ سہار سکا - اس کی ٹارچ نہ جانے کہاں گر گئی تھی - اِس لیے اُسے ڈھونڈنے میں وقت ضائع کرنا فضول تھا - وہ لنگڑاتا ہُوا ایک طرف چل دیا - وہ فوراً کہیں چھُپ جانا چاہتا تھا -

کُتّا مُسلسل بھونکے جا رہا تھا - اب لوگوں کے بھاگ کر اس طرف آنے کی آوازیں آنے لگی تھیں - دلاور اپنا درد بھُول گیا تھا اور اُس کے دماغ نے پھر کام کرنا شروع کر دیا تھا - اس نے سوچا کہ وُہ اپنے ساتھ کُتّے لے کر آئیں گے اور اس کو ڈھونڈ نکالیں گے -

اچانک کُتّوں کے دوڑنے کی آوازیں آنے لگیں ۔ دلاور اور تیزی سے چلنے لگا ۔ اُس نے ایک درخت گرا ہُوا دیکھا جس کی شاخیں سُوکھ چکی تھیں ۔ اس نے چاقو نکال کر ایک شاخ کاٹ لی ۔ اب وُہ شاخ کے سہارے بھاگ سکتا تھا ——— اس نے فارم کی طرف دیکھا ۔ محمّد خان اور جمال خاں فارم کے دروازے کے پاس پہنچ چکے تھے ۔ محمّد خان نے جُھک کر کُتّے کو پھندے سے رہا کرنے کی کوشش کی لیکن اس سے کُتّے کی تکلیف اور بڑھ گئی ۔ محمّد خان پیچھے ہٹ گیا ۔ کُتّا درد سے پاگل ہو رہا تھا ۔ جمال خان نہ جانے کہاں چلا گیا لیکن محمّد خان وہیں ٹہلتا رہا یکایک محمّد خان نے جیب میں ہاتھ ڈال کر پستول نکالا اور کُتّے پر کئی فائر کر دیے ۔

اس دوران میں دلاور کو بھاگنے کا موقع مل گیا تھا ۔ وُہ لکڑی کے سہارے کافی دُور نکل گیا ۔

محمّد خان اپنے پالتو کُتّے کے اِس طرح مر

جانے سے دیوانہ ہو گیا تھا اور اُونچی آواز میں قسمیں کھا رہا تھا کہ جاگیر میں آنے والے کو کبھی نہیں چھوڑے گا ۔

دلاور جھیل کی طرف بڑھا ۔ اسے اُمّید تھی کہ وُہ جھیل کے کنارے تک پہنچ گیا تو پھر کُتّے اس کی بُو نہیں پا سکیں گے ۔ اب اُسے آدمیوں اور کُتّوں کی ملی جُلی آوازیں سنائی دے رہی تھیں ۔

جھیل کی سطح آئینے کی طرح ہموار تھی اور کناروں پر اُگے ہُوئے درختوں کا عکس پانی میں پڑا خوبصورت لگ رہا تھا ۔ دائیں طرف ایک پُرانا کشتی گھر تھا جو ہمیشہ بند رہتا تھا اور دلاور کبھی اُس کے اندر نہیں گیا تھا ۔

آدمیوں اور کُتّوں کا شور بڑھتا جا رہا تھا یُوں لگتا تھا جیسے جاگیر کے سارے لوگ دلاور کا پیچھا کر رہے ہیں ۔ اب تو اُن کی آوازیں بھی صاف سُنائی دینے لگی تھیں ۔ ہر شخص اپنی اپنی ہانک رہا تھا ۔

دلاور نے جھیل کے کنارے کے ساتھ ایک

بڑی سی گیلی پڑی دیکھی - یہ اِتنی بڑی تھی کہ اُس کا ہلانا ناممکن نظر آ رہا تھا لیکن جب اُس نے گیلی کو چھُوا تو وُہ خُشک اور ہلکی نِکلی - اُسے پانی میں گِرا دینا مُشکل نہ تھا -

ایسا معلُوم ہوتا تھا کہ کُتّوں نے دلاور کی بُو پا لی تھی اور وُہ لوگوں کو جھیل کی طرف لا رہے تھے - دِلاور نے گیلی کو پانی میں گرایا اور اُس کے بعد خُود بھی پانی میں کُود گیا گیلی اپنے پیچھے بُلبلے چھوڑتی ہُوئی آگے بڑھنے لگی -

کِنارے پر پانی زیادہ نہیں تھا - مُشکل سے دلاور کی چھاتی تک آ رہا تھا - وُہ گیلی کو جلد سے جلد گہرے پانی میں لے جانے کی کوشش کرنے لگا -

کُتّے اب جھیل کے کنارے کے قریب آ گئے تھے - دلاور نے تیزی سے تیرنا شرُوع کر دیا - وُہ اپنے ساتھ گیلی کو بھی لیے جا رہا تھا - اُس کا خیال تھا کہ اگر وُہ اُن کو نظر آ گیا تو وُہ گیلی کے نیچے لیٹ جائے گا

اور سانس لینے کے لیے اپنے نتھنوں کو ذرا سا باہر رہنے دے گا - اس طرح وُہ ان کو دھوکا دینے میں کامیاب ہو جائے گا - وُہ گیلی کو اِس لیے بھی ساتھ لے جا رہا تھا کہ اگر گہرے پانی میں تیرتے تیرتے تھک گیا تو گیلی کا سہارا لے کر کچھ دیر آرام کر لے گا -

اب وُہ ایسی جگہ پہنچ چُکا تھا جہاں اس قدر جھاڑ جھنکاڑ تھا کہ گیلی حرکت بھی نہیں کر سکتی تھی - اس نے گیلی کو چھوڑ دیا اور جھاڑ جھنکاڑ پکڑ کر کھڑا ہو گیا - وُہ چاہتا تھا کہ کسی ایسی جگہ پہنچ جائے جہاں چھپنے کی آسانی ہو —

اِتنے میں ہَوا کا ایک تیز جھونکا آیا — دلاور نے سانس روک لیا کہ کُتّے اس کی بُو پا کر اِس طرف نہ آ جائیں لیکن وُہ ناکام رہا - کُتّوں تک اس کی بُو پہنچ چکی تھی اور وُہ جھیل کے کِنارے پر کھڑے بھونک رہے تھے تا کہ آدمیوں کو پتا چل جائے کہ اُن کا شِکار کدھر گیا ہے -

ایک آدمی اس جگہ پہنچ گیا تھا جہاں سے دلاور نے گیلی جھیل میں دھکیلی تھی — وُہ دُوسرے لوگوں کو چیخ چیخ کر بتا رہا تھا۔ "وُہ جھیل میں چھُپے ہُوئے ہیں۔ جلد آؤ۔ جلد۔"

اِس سے دلاور نے اندازہ لگایا کہ وُہ بُہت سے آدمیوں کو تلاش کر رہے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ کئی آدمیوں کا کام تھا۔ ظاہر ہے کہ اِن کے خیال میں یہ پولیس کے آدمی نہیں تھے۔ کیوں کہ اگر اُنھیں پولیس کا خطرہ ہوتا تو وُہ بھاگ چُکے ہوتے۔ پولیس کو اِس طرح بھاگنے اور چھُپنے کی کیا ضرورت تھی مُحمّد خان کے آدمی یقیناً کِسی مُخالِف گروہ کی تلاش میں تھے۔

جھیل کے ٹھنڈے پانی کا اثر اب دلاور کے جوڑوں پر ہو رہا تھا۔ سردی سے اس کے دانت بجنے لگے تھے۔ اس نے اپنے جبڑے سختی سے بھینچ لیے۔ اُسے راستے پر آنے والے لوگوں کے قدموں کی آواز سُنائی دی۔

دو آدمی جھیل کی طرف آئے۔ وُہ ایک دُوسرے سے باتیں کرتے جا رہے تھے:

"تمھیں کیسے معلُوم ہُوا کہ یہ دینے کی پارٹی کا کام ہے؟" ایک نے کہا۔

"اس کے عِلاوہ اور کون مُحمّد خان سے مُقابلہ کرنے کی جُرأت کر سکتا ہے؟" دُوسرے نے کہا۔

پھر اُنھوں نے ٹارچ کی روشنی جھیل کے پانی پر ڈالی۔

"اُنھوں نے کُتّے کو کیوں نہیں مارا؟" ایک نے کہا۔

دوسرے نے ٹارچ بجھا کر جواب دیا "خُدا معلُوم۔"

پھر وُہ کنارے کے ساتھ ساتھ چلتے ہُوئے ٹارچ کی روشنی اِدھر اُدھر ڈالتے رہے۔

اب وہ کافی دُور چلے گئے تھے اور اُن لوگوں کو گالیاں دے رہے تھے جنھوں نے ان کے رنگ میں بھنگ ڈال دی تھی۔ دلاور اس وقت اگر اُن کے ہاتھ آ جاتا تو وُہ اُسے ایک منٹ کے اندر اندر ختم کر دیتے۔

دلاور سردی سے کانپ رہا تھا اب وُہ اِس بات کا اِنتظار نہیں کر سکتا تھا کہ خطرہ ٹلے تو جھیل سے باہر نکلے ۔ وُہ جھاڑ جھنکاڑ میں سے نکلا اور دُوسرے کنارے کی طرف تیرنے لگا ۔ جب وُہ کنارے کے قریب پہنچا تو اُسے اپنا دل ڈوبتا ہُوا محسُوس ہُوا ۔ کنارے پر مُحمّد خان کے دو آدمی کھڑے باتیں کر رہے تھے ۔

"اُنھیں ڈھونڈنے کے لیے تو پُوری پلٹن چاہیے" ایک آدمی نے کہا ۔

"میرے خیال میں تو ان کا قابُو میں آنا مُشکل ہے" دُوسرے نے جواب دیا ۔

اُن کی باتوں سے دلاور سمجھ گیا کہ وُہ دشمنوں کو تلاش کر کر کے تھک چُکے ہیں ۔ باتیں کرتے کرتے وُہ ایک طرف کو چل دیے ۔ دلاور اُن کو جاتے ہُوئے دیکھتا رہا ۔ یہاں تک کہ اُن کے قدموں کی چاپ بھی سُنائی دینی بند ہو گئی ۔ وُہ جلدی جلدی تیرتا ہُوا کنارے پر پہنچا اور گرتا پڑتا گھر کی طرف ہو لیا ۔

کہاں گئے تھے؟

دلاور کِس طرح گھر پہنچا ، اس کے بارے میں اس کو کچھ پتا نہ تھا ۔ سارے گھر کی بتّیاں جل رہی تھیں اور دروازہ کُھلا ہُوا تھا ۔ وُہ گھر سے چند قدم کے فاصلے پر تھا لیکن اس قدر نڈھال ہو چکا تھا کہ ایک قدم اُٹھانا بھی مُحال ہو رہا تھا ۔

وُہ اتنی دیر اندھیرے میں رہا تھا کہ گھر کی روشنیاں اس کی آنکھوں میں چُبھ رہی تھیں اُس نے آنکھیں بند کر لیں ۔ وُہ وہیں گر کر سو جانا چاہتا تھا ۔ اس میں تائی کا سامنا کرنے کی ہمّت نہیں تھی لیکن اِس کے سِوا کوئی چارہ بھی نہ تھا ۔ اس نے سوچا وُہ اُن سے کوئی نہ کوئی بہانا کر دے گا ۔

دلاور نے سر اُٹھا کر سامنے دیکھا ۔ تائی دروازے کے پاس کھڑی تھیں ۔ وُہ اندھیرے میں تھا اس لیے ان کو نظر نہیں آ رہا تھا اس نے غور سے تائی کی طرف دیکھا ۔ اُن کی آنکھیں سُوجی ہُوئی تھیں ، بال بکھرے ہُوئے تھے اور چہرہ اُترا ہُوا تھا ۔ وُہ بے تابی سے چاروں طرف نظریں دوڑا رہی تھیں ۔

دلاور نے اُن کے قریب جا کر کہا " تائی سلام ۔"

" دلاور تُم ؟ " تائی نے غور سے اس کی طرف دیکھ کر دانتوں میں اُنگلی دبا لی ۔ پھر وُہ اس کی طرف لپکیں ۔" میرے اللہ ۔"

دلاور بھی لنگڑا کر ان کی طرف بڑھا " میرے ٹخنے پر چوٹ لگ گئی ہے ۔"

" تم نے تو مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ باہر نہیں جاؤ گے ۔ اب میں ساری عمر تمہارا اعتبار نہیں کروں گی ۔" تائی مریم غُصّے سے تھر تھر کانپ رہی تھیں ۔

اب وُہ دونوں بڑے کمرے میں آ چکے تھے

تائی نے دلاور کا غصّہ دروازوں پر اُتارا اور اُنھیں خُوب زور زور سے بند کیا ۔ پھر اندر سے تالا لگا دیا ۔

" اپنے کپڑے دیکھو ۔ ایک اور جوڑا تباہ کر دیا ہے ۔ ایک دن میں تین تین جوڑے خراب کر رہے ہو ۔ میں یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتی ۔ کبھی نہیں ۔ تمہاری ماں ہی دھو سکتی ہے اِتنے کپڑے ۔ میں نہیں دھو سکتی ۔"

دلاور کی نیند تائی کی جھڑکیاں سُن سُن کر غائب ہو چکی تھی ۔ وُہ غسل خانے میں چلا گیا اس نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا ۔ سیاہ چہرہ دیکھ کر اُسے ہنسی آ گئی ۔ پھر وُہ غسل خانے سے باہر نکل آیا ۔

" مجھے دُودھ کا ایک پیالہ مل سکتا ہے ؟" دلاور نے پُوچھا ۔

" ان کپڑوں میں ہرگز نہیں ۔" تائی نے جواب دیا ۔

" میں نے اُن کا سُراغ لگا لیا ہے ۔" دلاور نے تائی کو اپنا معرکہ بتانا چاہا ۔

تائی اندر گئیں اور جا کر وہی لباس لے آئیں جو وہ جاتی دفعہ کھڑکی سے باہر اُتار گیا تھا۔

"جاؤ ـــ پہلے اِنسان بن کر آؤ۔ پھر میں تمھاری کہانی سُنوں گی۔" تائی نے کہا اور خود باورچی خانے میں چلی گئیں۔

دلاور نے گندے کپڑے اُتارے۔ پھر اُس نے اپنے ٹخنے کی طرف دیکھا۔ ٹخنا سُوج کر کُپّا ہو رہا تھا۔

نہا دھو کر وہ تازہ دم ہو گیا۔ پھر وہ کھانے کے کمرے کی طرف چلا گیا۔ اس کی تھکن فتح مندی کے اِحساس سے دُور ہو چکی تھی۔ وہ واپس گھر پہنچ چکا تھا ـــ زندہ اور محفوظ۔

"تم اس دفعہ تو مجھے چکما دے کر نکل گئے تھے لیکن آیندہ ایسا نہیں ہو سکے گا۔ تمھارے اِنتظار نے مجھے اِتنا بوڑھا کر دیا ہے کہ میں دس سالوں میں بھی اِتنی بوڑھی نہیں ہو سکتی تھی۔ مجھے یہ فکر لگی ہُوئی تھی کہ اگر خُدا نخواستہ تمھیں کچھ ہو گیا تو میں تمھارے

ماں باپ کو کیا مُنہ دِکھاؤں گی۔" تائی اُس کے سامنے بیٹھی ہُوئی کہہ رہی تھیں۔

دلاور کو اس وقت اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ تائی کتنی بُوڑھی ہو گئی ہیں۔ وہ بولا: "میں نے سُراغ لگا لیا ہے۔ وہ فارم میں چھُپا کر رکھتے ہیں۔ وہاں اُنھوں نے پھندا بھی لگا رکھا ہے۔ زنجیر سے بندھا ہُوا ایک کتّا وہاں پہرا دے رہا تھا۔"

"میرے اللہ۔ تمھاری ماں یہ قصّے سُن کر کیا کہے گی؟" تائی نے کہا۔

"اگر آپ اُنھیں نہ بتائیں تو وہ کچھ بھی نہیں کہیں گی۔"

"لیکن تم نے ثابت کیا کیا ہے؟ یہ کیا بات ہُوئی کہ وہاں ایک کتّا پہرا دیتا ہے؟" تائی بولیں۔

"وہ نیا کتّا تھا۔ محمّد خان نے اُس کو گولی مار دی تھی۔ اگر وہ مجھے دیکھ لیتا تو مجھے بھی......"

"چُپ.....چُپ....." تائی مریم نے اُس کے

مُنہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"آپ ثبوت چاہتی ہیں؟ اُنھوں نے فارم کے دروازے کو بھی چھُپا رکھا ہے اور وہاں ایک کُتّا بندھا رہتا ہے۔ وہاں اُنھوں نے آدمیوں کو پھانسنے کے لیے پھندا بھی لگا رکھا ہے۔"

"میں کبھی نہیں مان سکتی کہ کوئی اپنے کُتّے کو خود ہی گولی مار دے۔" تائی نے کہا۔

"میں نے آپ کو بتایا نہیں کہ کُتّے نے زنجیر توڑ لی تھی اور اس پھندے میں اُس کی پچھلی ٹانگ پھنس گئی تھی جو کسی طرح نکل نہیں سکتی تھی۔ محمّد خان نے کتّے کو تکلیف سے نجات دلانے کے لیے اُسے گولی مار دی۔"

اب تائی بات کو اچھّی طرح سمجھ گئی تھیں۔

"اُنھوں نے میرا جھیل تک پیچھا کیا لیکن مجھے پکڑ نہیں سکے۔ وُہ کسی سے خوف زدہ لگتے تھے۔" دلاور کی آواز جوشیلی ہوتی جا رہی تھی۔ "کیا آپ کو اب بھی یقین نہیں آیا

کہ فارم میں کوئی چیز ایسی ہے جسے وُہ دُوسروں سے پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں؟"

"ہاں، اب مجھے یقین آنے لگا ہے۔" تائی مریم نے نرمی سے کہا۔

دلاور کو اب کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ تائی مریم کا چہرہ اس کی نظروں کے سامنے گھوم رہا تھا۔ اس کی پلکیں بوجھل ہو کر آنکھوں پر گر گئی تھیں۔ پھر اس کا سر زور سے آگے کو جُھکا اور اگر تائی مریم اسے نہ تھام لیتیں تو وُہ دُودھ کے پیالے سے ٹکرا جاتا۔

دلاور سو چُکا تھا۔

تائی مریم کو جتنا ان چند دِنوں میں دلاور نے سنایا تھا اُتنا زندگی بھر کسی نے نہیں سنایا تھا۔ وُہ اس کی کُرسی کے پاس زمین پر بیٹھ گئیں اور اس کا ٹخنا دیکھنے لگیں۔ اُنھوں نے اس پر تیل کی مالش کر کے پٹّی باندھ دی۔ اس کی تکلیف کا خیال کر کے اُن کا دِل بھر آیا۔ پھر اُنھوں نے اُسے گود میں اُٹھا کر بستر پر لٹا دیا اور اُس کے

ماتھے کو چُوم کر چپکے سے واپس آ گئیں۔
صُبح اُٹھتے ہی اُنھوں نے سب سے پہلے کیپٹن آیاز کو بُلایا اور اُنھیں وُہ ساری باتیں شرُوع سے آخیر تک سُنائیں جو دلاور نے اُنھیں بتائی تھیں۔

سمگلروں کی گرفتاری

کیپٹن ایاز ایک بھی لمحہ ضائع کیے بغیر پولیس کو اِطّلاع دینے کے لیے چل دیے۔ تھانے پہنچ کر اُنھوں نے تھانیدار کو محمّد خان کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔
تھانیدار نے فوراً تیس سپاہیوں کو تیار ہونے کا حکم دیا اور سپاہی بندوقیں لے کر جیپوں میں بیٹھ گئے۔ کیپٹن ایاز تھانیدار کے ساتھ بیٹھے۔
جاگیر کے قریب پہنچ کر سپاہی جیپوں میں سے اُتر آئے اور اُنھوں نے مختلف ٹولیاں بنا کر جاگیر کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔
تھانیدار اور کیپٹن ایاز چند سپاہیوں کو ساتھ

لے کر فارم کی طرف بڑھنے لگے ۔ اُن کو آتا دیکھ کر کُتّے مختلف سمتوں سے بھونکتے ہُوئے ان کی طرف بڑھے ۔ دُور دُور تک کوئی آدمی نظر نہیں آ رہا تھا ۔

تھانیدار نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وُہ کُتّوں کو گولی مار دیں ورنہ ان کا شور سُن کر سمگلر مُقابلے کے لیے تیّار ہو جائیں گے یا پولیس کو دیکھ کر فرار ہو جائیں گے ۔

گولیوں کی آواز سُن کر بھی کوئی آدمی فارم سے باہر نہ نکلا ۔ اس لیے تھانیدار فارم کے دروازے کے قریب پہنچا ۔ اُس نے سارے سپاہی اِدھر اُدھر بکھیر دیے اور خود کیپٹن ایاز کو ساتھ لے کر دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے لگا ۔ دروازہ اندر سے بند تھا لیکن ذرا سی کوشش کے بعد اُس کی کُنڈی کھُل گئی ۔ اور وُہ دونوں ہاتھوں میں پستول پکڑے اندر گھُس گئے ۔

فارم کے اندر ہر طرف گندم کے انبار لگے ہُوئے تھے ۔ کہیں افیون اور چرس سے بھری

ہُوئی پیٹیاں رکھی تھیں ۔ کسی طرف سمگل کیا ہُوا کپڑا اور سامان پڑا ہُوا تھا لیکن کوئی آدمی نظر نہیں آ رہا تھا ۔

اِتنے میں کیپٹن ایاز کو ایک تہہ خانے کی سیڑھیاں نظر آئیں ۔ وُہ تھانیدار کے ساتھ سیڑھیاں اُتر کر تہہ خانے میں جا پہنچے — یہاں روشنی بُہت کم تھی ۔ محمّد خان اور اس کی ٹولی کے سارے لوگ بے خبر پڑے سو رہے تھے ۔ اُنھوں نے رات بھر جشن منایا تھا ۔

تھانیدار نے تمام سپاہیوں کو بُلا کر سب لوگوں کو ہتھ کڑی لگوا دی اور اُن کو محمّد خان اور جمال خاں کے ساتھ جیپوں میں بٹھا کر تھانے کی طرف روانہ کر دیا ۔ فارم کی نگرانی کے لیے چند سپاہی پہرے پر لگا دیے اس کے بعد تھانیدار اور کیپٹن ایاز حویلی کی طرف چل دیے ۔ وہاں جا کر اُنھوں نے رُوبی اور کُبڑی عورت کو بھی پکڑ لیا اور اپنے ساتھ جیپ میں بٹھا کر تھانے لے گئے ۔

دلاور نے آنکھیں کھولیں تو دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا - روز وُہ صُبح سویرے سو کر اُٹھتا تھا تو سُورج کی نرم نرم کرنیں اس کا استقبال کرتی تھیں لیکن آج تو سُورج کی شعاعوں میں غضب کی چمک تھی - وُہ صُبح سویرے اِتنے شوخ سُورج کو دیکھنے کا عادی نہ تھا - پردے گرے ہُوئے تھے لیکن اس کے باوجود سُورج کی روشنی آنکھوں کو چُندھیا رہی تھی - دلاور نے سرہانے کے نیچے سے اپنی گھڑی نکالی اور وقت دیکھا - دوپہر کے ساڑھے چار بج رہے تھے - گھڑی واپس رکھنے کے لیے اُس نے بازُو اُٹھایا تو درد کی ایک شدید لہر اس کے سینے سے اُٹھی - اُس نے سر تکیے پر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں - ہر سانس کے ساتھ اُس کے سینے میں درد ہو رہا تھا - بدن دہک رہا تھا اور چادر کا وزن جسم پر یُوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کئی من وزنی لحاف اوڑھ رکھا ہے -

اس نے یاد کرنے کی کوشش کی کہ کل اس

کے سینے میں چوٹ تو نہیں لگی تھی ؟ لیکن اُسے ایسا کوئی واقعہ یاد نہ آیا - جب اُس نے ٹانگ ہلائی تو ٹخنے کے درد نے اُسے نانی یاد دلا دی -

پھر اُسے یاد آیا کہ اُس نے اب تک پولیس کو اِطّلاع نہیں دی - یہ کام تو فوراً کرنا چاہیے تھا - وُہ دِیوانوں کی طرح بستر سے اُٹھ بیٹھا لیکن اُس کے سینے کے اندر درد کی ٹیس اُٹھنے لگی اس لیے اُسے فوراً ہی لیٹ جانا پڑا

اُس نے سوچا اگر آج پولیس کو اِطّلاع مِل بھی گئی تو وُہ اِتنی جلدی چھاپا مارنے کی تیاری نہیں کر سکے گی - اس کے باوجُود اس نے بستر سے اُٹھ جانے کی ٹھان لی - جب اس نے زخمی ٹخنے والا پاؤں فرش پر رکھا تو اس کی چیخیں نِکل گئیں - زخمی ٹخنا اس کا بوجھ برداشت کرنے کے لائق نہیں تھا -

تھوڑی دیر وُہ پلنگ پر بیٹھا رہا - کیوں کہ اُس کے سامنے کمرے نے چکّر لگانے شروع کر

دیے تھے۔ جب کمرہ ٹھہر گیا تو وہ جست لگا کر اُٹھا لیکن پھر فوراً ہی دھڑام سے فرش پر گر پڑا۔

تائی مریم شور سُن کر کمرے میں آ گئیں: "تم کیا کر رہے ہو؟" اُنھوں نے اس کا ماتھا چھُو کر دیکھا "تم تو بُخار میں تپ رہے ہو۔" اُنھوں نے اُسے سہارا دے کر بستر پر لٹا دیا۔

دلاور نے اپنے سینے کی طرف اِشارہ کر کے کہا: "سینے میں سخت درد ہو رہا ہے۔"

"میں ابھی ڈاکٹر کو بلاتی ہُوں۔" تائی نے کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔" دلاور نے مُنہ سے تو کہہ دیا لیکن دِل سے وہ بھی یہی چاہتا تھا کہ ڈاکٹر آ کر اس کا مُعاینہ کر لے تا کہ وہ جلد از جلد تندرست ہو جائے۔

"آپ پولیس کو بھی اِطّلاع کروا دیں۔ میں اُنھیں سمجھا دُوں گا۔" دلاور نے تائی سے کہا۔

"کیا سمجھا دو گے؟" تائی نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

"کہ وہ کہاں سمگلنگ کا سامان چھپاتے ہیں۔"

دلاور نے کہا۔

"تمھیں اب اُس کے متعلق فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ سارے سمگلر پکڑے جا چُکے ہیں۔" تائی نے کہا۔

"کیا مطلب؟" دلاور بستر پر اُچھل پڑا۔ "ضرور آپ نے کسی کو بتایا ہو گا۔"

تائی نے یونہی سر ہلا دیا۔

"میں کچھ نہیں سمجھا۔" دلاور نے کہا۔

تائی نے کچھ کہنے کے لیے اپنا مُنہ کھولا اور آنکھیں بند کر لیں۔ ان میں دلاور کی طرف دیکھنے کی ہمّت نہیں تھی۔

"آپ چُپ کیوں ہیں؟" دلاور نے پُوچھا۔

تائی مریم نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور پھر سر جُھکا لیا۔

"آخر مجھے پتا بھی تو چلے کہ کیا ہُوا ہے۔" دلاور نے کہا۔

تائی مریم نے دھیرے سے کہا۔ "کیپٹن ایاز نے پولیس کو بتا دیا تھا۔"

"کیا آپ نے اُن کو ایسا کرنے کے لیے

کہا تھا ؟"

تائی مریم نے عجیب سی نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔

"کیا آپ نے اُن سے کہا تھا کہ وُہ پولیس کو اطلاع کر دیں ؟" تائی نے کہا۔

"کیپٹن ایاز خود محمّد خان کی نگرانی کر رہا تھا" تائی نے کہا۔

"یہ بات اُس نے مجھے کیوں نہیں بتائی ؟ یہ جھُوٹ ہے۔ کاش آپ نے وہ گفتگو سُنی ہوتی جو ہم دونوں کے درمیان ہُوئی تھی۔" دلاور نے کہا۔ "آپ نے ہی اُسے ساری بات بتائی ہوگی مجھے یقین ہے۔"

اِتنے میں دروازے پر دستک ہُوئی۔ تائی نے کہا "آ جائیے۔" ڈاکٹر صاحب اندر آئے اور اُنھوں نے دلاور کا معاینہ کرنا شروع کر دیا۔ اس دوران میں تائی نے دلاور کو بتایا کہ پولیس نے بارہ آدمیوں کو جن میں محمّد خان جمال خاں، ایک عورت اور ایک لڑکی شامل ہے گرفتار کر لیا ہے اور فارم سے بے شمار

اناج، اینون اور کپڑا بھی پکڑا گیا ہے۔

"رُوبی بھی پکڑی گئی ؟" دلاور نے پُوچھا۔

"ہاں۔ میں نے یہی سُنا ہے۔ وُہ اکیلی کہاں رہتی۔ ہو سکتا ہے پولیس اس کو کسی یتیم خانے میں داخل کرا دے۔" تائی نے کہا۔

مِلاپ

یُوں دیکھنے میں تو دلاور اچھّا بھلا تھا لیکن نہ جانے اُس کے سینے میں کیا ہو گیا تھا کہ آرام ہی نہیں آ رہا تھا۔ دو دِن بعد تو سینے کا درد اس کی برداشت سے باہر ہو گیا۔ بخار بھی کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ تائی مریم ہر وقت اس کے سرہانے بیٹھی رہتیں اور ٹھنڈے پانی کی پٹّیاں اس کے ماتھے پر رکھتیں تاکہ بُخار کا زور ٹوٹ سکے۔

خود ڈاکٹر بڑا حیران تھا۔ اُس نے اپنی ساری کوشش کر دیکھی لیکن دلاور کو اچھّا کرنا اس کے بس میں نہ تھا۔ بخار کی حالت میں بعض وقت وہ بُڑبُڑانے بھی لگتا اور عجیب عجیب حرکتیں کرتا۔

ایک دن تائی دلاور کے سرہانے بیٹھی ہُوئی تھیں کہ اُس نے بڑبڑانا شروع کر دیا۔ تائی نے اپنا کان اُس کے مُنہ سے لگایا تو وُہ رُوبی رُوبی کہہ رہا تھا۔ تائی فوراً بات کی تہہ تک پہنچ گئیں۔ دلاور کے دماغ پر رُوبی کے پکڑے جانے کا بوجھ تھا۔ وُہ نہ جانے اب کہاں ہو گی۔

جب ڈاکٹر دلاور کو دیکھنے کے لیے آیا تو کیپٹن ایاز بھی اُس کے ساتھ تھے۔ ان دونوں نے یہ بات سُنی تو کیپٹن ایاز نے کہا "میں رُوبی کو لا سکتا ہُوں۔ اُسے پولیس نے ایک یتیم خانے میں داخل کرا دیا ہے۔"

"بالکل ٹھیک۔ آپ فوراً اُس کو لے آئیں۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"میں خود آپ کے ساتھ چلتی لیکن دلاور کو اس حالت میں تنہا نہیں چھوڑ سکتی۔ آپ کو اکیلے ہی یہ تکلیف کرنی پڑے گی۔" تائی نے کہا۔

"بھابی جان، یہ تکلیف نہیں راحت ہے۔ دلاور ایسے بہادر لڑکے کے لیے کوئی کام کرنا

میرے لیے خوشی کی بات ہے۔" کیپٹن ایاز نے دلاور کے مُرجھائے ہُوئے چہرے کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اگر یتیم خانے والے رُوبی کو ہمیں دینے پر آمادہ ہو جائیں تو میں اس کو اپنی بیٹی بنا لُوں گی۔ آپ اُن سے یہ بات بھی کیجیے گا۔" تائی مریم نے کہا۔

"بُہت بہتر۔ میرے خیال میں وُہ مان لیں گے میں نے اُسے دیکھا ہے، وُہ اچھّی بچّی ہے۔" یہ کہہ کر وہ رُوبی کو لانے کے لیے چل دیے۔

کیپٹن ایاز اس یتیم خانے کے مینجر کے پاس پہنچے جہاں رُوبی کو داخل کیا گیا تھا۔ کیپٹن ایاز کی بات سُن کر مینجر نے کہا "جناب ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ اُمّید ہے آپ اس کا پُورا پُورا خیال رکھیں گے۔"

مینجر نے آدمی بھیج کر رُوبی کو بُلوایا۔ وُہ دوڑی دوڑی آئی۔ اس کے چہرے سے خوشی ٹپک رہی تھی۔ یُوں لگتا تھا کہ اِتنے سارے بچّوں کے درمیان آ کر وُہ بے حد خوش ہے۔ اُسے سمگلروں

کے انجام سے کوئی دِلچسپی نہ تھی۔ اُس نے یتیم خانے میں آ کر کئی لڑکیوں کو اپنی سہیلیاں بنا لیا تھا اور اب ہر وقت اُن کے ساتھ کھیلتی رہتی تھی۔ وُہ پچھلی تمام باتیں بھلا چکی تھی۔

رُوبی کو دیکھ کر کیپٹن ایاز نے کہا "بیٹا اِدھر آؤ۔"

رُوبی اپنی جگہ کھڑی رہی۔

"آؤ آؤ۔" کیپٹن ایاز نے بازُو پھیلا کر کہا۔

"جاؤ بیٹا، یہ تمھیں لینے آئے ہیں۔" مینجر نے کہا۔

"میں نہیں جاؤں گی۔ میں نہیں جاؤں گی۔" یہ کہتے ہُوئے وہ باہر بھاگنے لگی۔ مینجر نے لپک کر اُسے پکڑ لیا۔

"اچھّا، اچھّا۔ نہ جانا۔" مینجر نے اُسے چُپ کرانے کے لیے کہا۔

تھوڑی دیر کے لیے سب چُپ ہو گئے۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ کیپٹن ایاز اُٹھ کر مینجر کی کُرسی کے پاس گئے اور رُوبی کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرنے لگے۔

"بیٹا، تم دلاور کو جانتی ہو؟" انھوں نے پوچھا۔
"دلاور..... ہاں آں..... دلاور۔" وہ بولی۔
"تم اُس سے ملنا چاہتی ہو؟"
"میں؟ ..... وہ کہاں ہے؟"
"وہ اپنے گھر ہے۔"
"یہاں کیوں نہیں آیا؟"
"وہ بیمار ہے۔"
"اچھا....."
"چلی جاؤ۔ اُسے دیکھ کر آ جانا۔" بینجر نے کہا۔
"اچھا....." رُوبی نے کہا۔ وہ دُبدھا میں پڑی ہُوئی تھی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنی سہیلیوں کو چھوڑ کر جائے یا نہ جائے۔ پھر ایک دم اُسے تمام پچھلی باتیں یاد آ گئیں۔
وہ بول اُٹھی ——— "میں جاؤں گی۔ دلاور کے پاس جاؤں گی۔"
"آؤ۔" یہ کہہ کر کیپٹن ایاز نے رُوبی کا بازو پکڑا اور بینجر کو سلام کر کے کمرے سے باہر آ گئے۔
وہ رُوبی کو لے کر فوراً دلاور کے پاس پہنچے تائی مریم اُس کے سرہانے بیٹھی ہُوئی تھیں اور

دلاور آنکھیں کھول کر اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ اُسے تائی مریم نے بتا دیا تھا کہ کیپٹن ایاز رُوبی کو لانے کے لیے گئے ہُوئے ہیں۔
جونہی کیپٹن ایاز اور رُوبی دلاور کے قریب پہنچے۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا اور بولا "رُوبی، تم آ گئیں۔"
رُوبی نے دلاور کو دیکھ کر واپس جانے کا نام ہی نہیں لیا۔ وہ یہ بھول گئی کہ وہ کسی یتیم خانے میں تھی اور وہاں اس کی کئی سہیلیاں بھی تھیں۔
اب دلاور تیزی سے صحت یاب ہوتا جا رہا تھا۔ بُخار بہت کم ہو گیا تھا اور سینے کا درد بھی ختم ہو چُکا تھا۔
رُوبی کے آ جانے کے بعد دلاور کے دِل کو اطمینان ہو گیا تھا اور اب وہ پھر پہلے کی طرح چاق اور چوبند ہو چُکا تھا۔ رُوبی اور وہ سارا سارا دِن کھیلتے رہتے تھے۔ تائی مریم اُن کو اس طرح خوش خوش کھیلتے دیکھ کر خوشی سے پھُولی نہ سماتی تھیں۔

تائی کے گھر میں ان دو بچّوں کے دم سے بہار آ گئی تھی۔ اُنھوں نے رُوبی کے لیے کپڑوں کے کئی جوڑے تیار کروائے تھے اور اب وُہ بڑی صاف ستھری رہتی تھی۔ تائی اُسے کسی سکول میں داخل کروانے کے بارے میں سوچ رہی تھیں۔ تاکہ ان کی بیٹی پڑھ لکھ جائے۔

ایک دِن کیپٹن ایاز دلاور اور رُوبی کو دیکھنے کے لیے آئے۔

"پہلے تو آپ میری بات ہی نہیں مانتے تھے؟" دلاور نے اُن سے کہا۔

"برخوردار، مجھے خُود اُن پر شُبہ تھا اور میرے آدمی ان کی نگرانی کر رہے تھے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ تم اس معاملے میں دخل دو۔ بچّوں کو سب سے زیادہ توجّہ اپنی تعلیم کی طرف دینی چاہیے۔"

"آپ یہ بات مجھ سے پہلے بھی کہہ سکتے تھے۔" دلاور بولا

"تم پر جاسوسی کا بھُوت سوار تھا۔ تم ہرگز باز نہ آتے۔" کیپٹن ایاز نے ہنس کر کہا۔

"یہ ٹھیک ہے۔" دلاور نے اُن کی بات مان لی۔

"اب ایک خوش خبری سُنو۔" کیپٹن صاحب بولے۔

"سنائیے۔"

"کل انسپکٹر جنرل پولیس تشریف لا رہے ہیں وُہ سمگلروں کے اِتنے بڑے گروہ کو گرفتار کروانے کی خوشی میں مجھے ایک ہزار روپے اِنعام دینا چاہتے تھے لیکن میں نے اُن سے صاف صاف کہہ دیا کہ اس کارنامے کا سہرا دلاور کے سر ہے اس لیے وُہی اس اِنعام کا حق دار ہے۔ اب یہ روپیہ تُم کو ملے گا۔"

دلاور اور رُوبی نے خوشی سے اُچھل کر کہا:

"زندہ باد۔ زندہ باد۔"

اسی وقت دلاور کے ماں باپ کراچی سے واپس آ گئے۔ کیپٹن ایاز نے ساری کہانی اُن کو سُنائی۔ وُہ بھی اپنے بیٹے کی بہادری کا قِصّہ سُن کر بے حد خوش ہُوئے۔

دلاور کی امّی نے اُٹھ کر اس کا ماتھا چُوما۔ پھر اُنھوں نے رُوبی کو اپنی گود میں اُٹھا لیا۔

"بھئی، ہمارا بیٹا تو بڑا بہادر نکلا۔ ہم خُود اُس کو اِنعام دیں گے۔" دلاور کے ابّا نے خوش ہو کر کہا۔

"آپ دلاور کو کیا اِنعام دیں گے ؟" دلاور کی امّی نے پُوچھا ۔

"ہم اِسے سائنسی تجربات کے لیے جتنا سامان یہ کہے گا دیں گے بیگم عمران کی وفات کے بعد ظاہر ہے اس نے پیسے نہ ہونے کی وجہ سے سائنسی تجربات کی طرف کوئی توجّہ نہیں دی ہو گی ۔ میں چاہتا ہُوں میرا بیٹا بہت بڑا سائنس دان بنے ۔ ہمارے ملک کو سائنس دانوں کی سخت ضرُورت ہے ۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ۔" دلاور نے خُوش ہو کر کہا ۔

دلاور کی امّی نے رُوبی کو پیار کرتے ہُوئے کہا "میں اپنی بیٹی کو تصویریں بنانے کا ڈھیر سارا سامان خرید کر دُوں گی ۔"

یہ سُن کر رُوبی کِھل کِھلا کر ہنس پڑی ۔

بچوں کے لیے دل چسپ ناول

ٹارزن	2.50	قزاقوں کی وادی	1.50	عالی پر کیا گزری؟	2.50
ٹارزن کی واپسی	2.50	شاہین اور دشمن درندے	2.50	پناکو کے کارنامے	2.00
ٹارزن اور درندے	2.50	قیدی	2.25	سلیم کی آپ بیتی	2.50
ٹارزن کا بیٹا	2.50	مریخ کا حملہ	1.25	محمود پر کیا بیتی	2.00
بادشاہ کا خواب پہلا حصہ	2.50	بونے اور دیو	2.50	خزانے کا راز	2.50
پُراسرار جزیرہ دوسرا حصہ	2.50	گرہ کٹ	2.50	ایک بچہ، ایک چور	2.00
نوشیرواں کی بیٹی تیسرا حصہ	2.50	نرگس	1.50	گوریلا	2.50
امیر حمزہ میدانِ جنگ میں چوتھا حصہ	2.50	اندھیرا غار	2.50	پانچ لاکھ	2.00
امیر حمزہ کوہ قاف میں	2.50	خون کی ہولی	2.50	سندر بن کا خزانہ	2.25
کالا جزیرہ	1.75	چاندی کے چور	2.50	چھنگلو میاں کے کارنامے	2.50
نورا	2.00	کشمیر کی بیٹی	1.50	ویران محل	2.50
منحوس قلعہ	2.50	دو یتیم	2.50	رابنسن کروسو	1.75
چاند پر پہلا آدمی	2.50	نجمہ کی سرگزشت	2.00	دشمن کی سازش	3.25
دنیا کا سفر	2.00	بارہ بھائی	2.00	شاہین کی واپسی	2.50
پُراسرار آبدوز	2.00	وہ کیا راز تھا؟	1.75	سلیمانی خزانہ	2.50
ہاتھی دانت کے چور	2.50	بھوت بنگلہ	2.50	نیلا طوطا	2.00
دولت پور میں	3.00	غیبی انسان	2.00	سرکس کا ہاتھی	2.25
کیا وہ خواب تھا؟	1.25	میرا نام منگو ہے	2.50	ایک ٹانگ کا آدمی	2.50
خونی جزیرہ	1.50	شاہین محاذِ جنگ پر	1.50	کالا ناگ	2.25

فیروز سنز لمیٹڈ